جلد ۹۲ ستمبر ۱۹۷۹ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

قرآن حکیم کا نچوڑ آسان اُردو میں پڑھیے

دی چلڈرن قرآن سوسائٹی ۱۴- وحدت روڈ لاہور فون نمبر ۸۵۳۳۸۹ نے قرآن مجید کا نچوڑ ۲۶ خوبصورت اور دیدہ زیب کتب کی صورت میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل کتابیں چھپ گئی ہیں۔ اس کو تیسری اور چوتھی جماعت کا طالب علم پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ ان کو سُن کر قرآن حکیم سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

۱- سب سے زیادہ مہربان انسانؐ ۲- سب سے بڑے جرنیلؐ

۳- بچوں کے لیے نماز مترجم ۴- بچوں سے پیار کرنے والے رسولؐ

۵ تا ۶ - جان اور مال سے جہاد کرنے والا مجاہد۔ (حصہ اوّل و دوم)

۷ تا ۱۶- قصص القرآن حصہ اوّل تا دہم- اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جیسے قرآن حکیم میں آئے ہیں دیے ہیں۔

۱۷- احکام الٰہی و فرمان رسولؐ (حصہ اوّل) روزہ ۔ نماز۔ زکوٰۃ ۔ حج کی بابت لکھا ہے۔

۱۸- ایضاً (حصہ دوم) حقوق والدین - حقوق زوجین - حقوق اولاد آتے ہیں۔

۱۹- ایضاً (حصہ سوم) عباداتِ الٰہی اور قرآنی دُعائیں

۲۰- ایضاً اعلیٰ اخلاق- ۲۱- ایضاً جہاد - ۲۲- ایضاً- اسلام کی طرز زندگی۔

کتاب نمبر ۱ تا ۱۵، ۱۹، ۲۱ کی قیمت : -/۳ روپے فی کتاب

کتاب نمبر ۱۶، ۲۲ کی قیمت : -/۵ روپے 〃

کتاب نمبر ۱۷، ۱۸، ۲۰ کی قیمت : -/۴ روپے 〃

ان کتابوں کو خود پڑھیں اور اپنے بچوں کو پڑھا کر اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآنِ حکیم کا نور پھیلائیں اور اپنے لیے دین، دُنیا اور آخرت کو بہتر بنائیں

یہ سب کتابیں سوسائٹی اور کتب فروشوں سے مل سکتی ہیں

دی چلڈرن قرآن سوسائٹی - ۱۴ - وحدت روڈ - لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۲ | ستمبر ۱۹۷۹ء مطابق شوال ۱۳۹۹ھ | عدد ۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ ۔ لاہور

فون نمبر — ۴۱۱۰۱۶ — ۴۱۰۳۱۶

زرِ سالانہ بیس روپے ۔ فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

مقامِ غم

مولانا سید ابوالخیر مودودی بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۷۹ء (مطابق ۴ شوال ۱۳۹۹ھ) بروز سہ شنبہ بوقت ایک بجے دوپہر انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

مرحوم مولینا سید ابوالاعلیٰ مدظلہ کے بڑے بھائی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صدمہ سب سے بڑھ کر مولینا ابوالاعلیٰ مودودی ہی کے لیے ہے اور آج وطن سے ہزاروں میل دوری پر جب انہیں یہ اطلاع ملے گی، تو احساس کچھ شدید تر ہی ہوگا۔ علاوہ ازیں مرحوم کے اہل خانہ، اور خاندان کے بقیہ افراد کے لیے یہ ایسا مقامِ غم ہے کہ راقم اور ادارہ ترجمان القرآن کے جملہ وابستگان اپنے مخلصانہ جذباتِ ہمدردی کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اُدھر مولینا ابوالخیر مرحوم کے لیے دنیائے علم بھی ماتمی ہے۔ مرحوم نے جدید و قدیم علوم کی مہارت کے ساتھ دارالترجمہ حیدرآباد کے زیرِ اہتمام برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کی قیمتی خدمات انجام دی ہیں اور نہیں تو کم سے کم مرحوم کی ایک خدمت فتوح البلدان کے اُردو ترجمہ سے تو بیشتر اصحابِ مطالعہ واقف ہوں گے۔ "ڈھنڈورے" کے اس دور میں اُن کی شہرت گریزی ہی تھی کہ اوّل درجے کے ایک مصنّف و محقق، ایک مترجم اور ایک تنقید نگار اور مؤرخ کے قدرداں صرف خواص ہیں۔

مولینا ابوالخیر کی شخصیت صرف علمی ہی نہ تھی، وہ دینی لحاظ سے بھی ایک مقام رکھتے تھے، نیز اُن کا مزاج ایک خاص رنگِ تصوف میں رنگا ہوا تھا۔

پھر جیسے کہ میاں طفیل محمد صاحب نے اپنے بیان میں اشارہ کیا ہے، مولینا ابوالخیر مرحوم نے نہ صرف کہ والد گرامی کی وفات کے بعد مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری پوری کی اور تحریک اسلامی کے سلسلے میں مولانا پر جو مشکل ادوار گذرے اُن میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا، بلکہ وہ جماعتِ اسلامی سے بھی خیر خواہانہ محبت رکھتے تھے۔ ترجمان القرآن کے وہ کئی برس سے پبلشر بھی تھے۔

خداوند کریم سے دُعا ہے کہ وہ مرحوم کی رُوح کو انوارِ رحمت سے فیضیاب کرے اور اُن

(باقی بر صفحہ ۴۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اوّلاً یہ معذرت طلبی کہ ترجمان القرآن کے سابق شمارے میں بہت سی غلطیاں رہ گئیں۔ مزید یہ کہ اگست کا شمارہ بہت تاخیر سے آپ تک پہنچ رہا ہے اور دونوں کی وجہ مشترک یہ کہ مجھے میز پر کام کرتے کرتے یکایک اُٹھ کے امریکہ روانہ ہوجانا پڑا۔

اب میں، اس کوشش میں ہوں کہ جس شمارے (ستمبر) کے یہ اشارات ہیں، وہ صحتِ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی قابلِ اطمینان ہو، اور کسی بڑی تاخیر کے بغیر، بلکہ وقت پر نکل سکے۔

مشکل یہ کہ میرا نہ کوئی نائب ایسا موجود ہے کہ جسے میں آگے کا کام سونپ جاتا، اور نہ مصروفیت کے اس دور میں یہی ممکن ہے کہ کسی دوسرے رفیق سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ میرے خالی کردہ محاذ کو خالی نہ رہنے دیں گے۔

اب ذرا ہمارے سفر کی شان بھی تو دیکھیے کہ جیسے کوئی شخص خواب ہی خواب میں ہزاروں میل کی گردش کرلے۔

۱۹ جون کو لاہور سے اور ۲۰ کو کراچی سے روانگی۔ ۲۰ کی دوپہر دوبئی کے ہوائی اڈے پر اور رات ایک ہوٹل میں۔ ۲۱ کو دوبئی سے، فرینکفرٹ اور پیرس ہوتے ہوتے لندن۔ رات یوکے اسلامک مشن کے دفتر میں قیام۔ ۲۳ کی شام کو نیویارک، پھر فلوریڈا، ڈیٹرائیٹ، پھر انڈیانا پلس، پھر بالٹی مور، پھر واپس نیویارک، ۱۳ جولائی کو نیویارک سے کاسا بلانکا اور قاہرہ ہوتے ہوتے جدہ، ۱۶ کو مکہ معظمہ، ۱۸ کو مدینہ منورہ، ۱۹ کو جدہ، ۲۰ کو پھر مکہ معظمہ، ۲۱ کو واپسی، ۲۲ کی صبح کو کراچی اور دوپہر کو لاہور

میں "تشریف آوری"!

یوں سمجھیے کہ "بس پھر آنکھ کھل گئی"۔ پھر وہی ہم ہیں، پھر وہی غم!

ع "جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا"۔

مکانی لحاظ سے ہزاروں میل طویل، اور زمانی لحاظ سے تقریباً ایک ماہ میں محدود اس سفر کا بیش قیمت باب یہ تھا کہ محترم مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا لاہور سے ۱۴ مئی کو روانہ ہوئے تھے۔ میں ۱۹ رجون کو چلا۔ اواخر جون (غالباً ۲۸ یا ۲۹ رکو) ملاقات ہوئی۔ یعنی ایک مہینے کے وقفے سے۔

نیویارک پہنچنے کے تیسرے روز مولینا سے ٹیلیفونی رابطہ قائم کیا۔ سلام و آداب کے بعد عرض کیا کہ میں کسی دن حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ آپ جب چاہیں آجائیں، اور اپنے آنے سے پہلے ڈاکٹر (یعنی مولینا کے فرزند ڈاکٹر احمد فاروق) کو اطلاع دے دیں تاکہ وہ ایئرپورٹ سے اپنی گاڑی پہ لے آئے، کیونکہ یہاں تک آنے کا راستہ بہت مشکل ہے۔ بعد میں مشاہدے سے اس بات کو صحیح پایا۔

پھر ایک دن رختِ سفر باندھا، یعنی اپنا سفری بیگ ساتھ لیا اور ہوائی جہاز کے ذریعے غالباً دو گھنٹے میں بفیلو جا پہنچا۔ ہوائی اڈے سے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا۔ پھر عمارت سے باہر آکر اُن کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب اور اُن کے قریبی عزیز مسعود صاحب دونوں گاڑی میں آپہنچے۔ منزل تک جانے میں سہ پہر کا وقت ہو گیا۔ لہٰذا دن کا کھانا گول کیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے میرے حسبِ خواہش چائے کے ساتھ بسکٹ پھل وغیرہ فراہم کر دیے۔ نمازِ عصر کے بعد مولانائے محترم اندرونِ خانہ سے اپنے "واکر" کے سہارے کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ مجھے بلوایا گیا۔ اوپر کی منزل سے اُتر کر حاضر ہوا۔ معانقہ کے ساتھ ہی میں نے کہا کہ "مولینا آپ نے تو یہاں بھی کھینچ بلوایا"۔ جواباً مولینا نے غالباً کچھ ایسی بات کہی کہ جہاں ہم ہوں گے وہاں آپ کو آنا ہی ہوگا۔ پھر شاید یہ بھی کہ آخر آپ نے امریکہ دیکھ لیا۔ عرض کیا کہ ایسی کوئی خواہش میرے اندر نہ تھی۔ یوں بھی طبیعت سفر گریز ہو گئی ہے۔ پھر بات کا رُخ مولینا کی صحت کے موضوع کی طرف مڑ گیا۔ ایک بات تو از خود ظاہر تھی، یعنی مولینا کی مجموعی ظاہری حالت اچھی تھی، چہرہ شاداب تھا، لہجے میں اُبھار تھا، گفتگو میں بشاشت کا رنگ تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ خوشگوار عمومی

تبدیلیاں بڑی حد تک ماحول کے بدلنے، جائے قیام کے پُرفضا ہونے، صاحب حیثیت مگر سلیم الطبع اولاد کی خدمت گیشی، بہترین صاف ستھری غذاؤں کی فراہمی، مولینا کی روایت کے مطابق مکمل پابندیٔ اوقات اور ملاقاتیوں کے ہجوم اور مسائل کی یورش میں کمی کا نتیجہ تھیں۔

البتہ معلوم ہوا کہ جوڑوں کا درد بدستور ہے اور ابھی چند ہی روز پہلے (ایک ہفتے سے زیادہ نہیں) درد کا علاج ایک جدید ترین معالجاتی تکنیک سے شروع ہوا ہے۔ یعنی مشین کے ذریعے فوق السماعت قسم کی سوتی لہریں پیدا کی جاتی ہیں جو ماؤف جوڑوں اور ہڈیوں تک حرارت کی لہروں میں بدل کر پہنچتی ہیں اور گوشت سے گذر کر براہ راست مقاماتِ درد پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ اس طرز علاج کا جس کا ایک کورس دو ماہ کا ہے، قدرے اچھا ہی اثر ہے۔ مگر اس کے اثرات کا صحیح اندازہ ۲۰، ۲۵ دن کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مولانا کہہ رہے تھے کہ اگر یہ علاج مفید رہا تو ضروری مشینیں خرید کر واپس پہنچ آؤں گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بطور علاج مولینا کو ۶، ۷ سیڑھیاں چڑھنے کا تجربہ بھی کرایا جا رہا ہے۔ لیکن فی الحال اس تدبیر علاج کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا کہ مولینا تو اب سیڑھیاں چڑھنے لگے ہیں، درست نہیں ہوگا۔ اگرچہ ہماری خواہش یہی ہے کہ مولینا اس قابل ہو جائیں۔ فی الحال یہ تدبیرِ علاج ہے، نتیجۂ علاج نہیں۔ اس اثناء میں خلیل حامدی صاحب اور نیویارک کے ذکی الدین صاحب بھی آ چکے تھے، چائے کا دَور بھی چلا اور باتوں کا حلقہ بھی وسیع تر ہو گیا۔ مولینا نے مجھ سے بھی اور خلیل صاحب سے بھی اِدھر کے حالات دریافت کیے۔ مختصر اُضروری باتیں بتائیں۔ ذکی الدین صاحب نے اسلامی یونیورسٹی کے بارے میں مولینا سے مشورہ طلب کیا۔ خاصا وقت گذر جانے پر ہم نے مولینا سے خود ہی عرض کیا کہ اب شاید آپ کو بیٹھنے میں زحمت ہو رہی ہے۔ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ اور ہمارا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ مولینا مصافحے کر کے تشریف لے گئے۔

صحبت روشن دلاں یک دم، دو دم آں دو دم سرمایۂ بود و عدم

شام کا کھانا ڈاکٹر احمد فاروقی ہی کے ساتھ کھایا گیا۔ دسترخوان پر دال کی موجودگی امریکہ میں پاکستانیت کے حلول پر دلالت کر رہی تھی۔ ۱۰ ار ۱۱ بجے ہم تینوں مسافرانِ بے منزل قریبی قصبہ بفیلو کے لیے روانہ ہو گئے جہاں سے اگلے دن ڈیرائیبٹ جانا تھا۔

مولینا کی صحت کے سلسلے میں بعد کی تازہ اطلاع یہاں یہ ملی کہ آٹھ دس روز پہلے (۲۳ رجولائی کو)

اُن کو ایک خاص قسم کا انجکشن ریڑھ کی ہڈی میں لگایا گیا جس سے کمر اور کولھوؤں کے درد میں بہت کمی ہو گئی ہے۔ چہرے کی رنگت بھی بہتر ہو گئی ہے۔ قبض کی شکایت بھی دُور ہو گئی ہے۔ اب چلنے میں بھی پہلے جتنی تکلیف نہیں ہوتی۔ دوسرا انجکشن جو کچھ عرصے بعد لگنا تھا، اب تک لگ چکا ہو گا۔۔۔ خدا کرے کہ گھٹنوں کے درد کے لیے بھی خدا کوئی ذریعہ شفا مہیا فرمادے۔ اور مولینا زیادہ سے زیادہ بہتر صحت و قوت کے ساتھ واپس آکر تحریک اسلامی کی مزید خدمت انجام دے سکیں۔

امریکہ میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اور ان میں بہت سے لوگوں کو اچھے درجے کے عہدے یا کاروبار حاصل ہیں۔ ان میں دینی طور پر حساس مسلمانوں کی بڑی اکثریت ہے جو ایک طرف یہ جذبہ رکھتے ہیں کہ اسلام سرزمینِ امریکہ میں پھیلے، اور دوسری طرف وہ ایسی تجاویز سوچتے رہتے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ مادہ پرست معاشرے کے فکری سماجی اور اخلاقی مفاسد سے اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بچاؤ کر سکیں۔

ایسا ہی ایک پروگرام ہمارے ایک دوست ذکی الدین صاحب کے دل نے تجویز کیا۔ انہوں نے یہ سوچا کہ ہماری نوجوان اولادیں امریکہ کے اندر سے بھی، اور مسلم ممالک سے آکر بھی اپنے آپ کو امریکی یونیورسٹیوں کے حوالے کر کے جس طرح ایک باطل تہذیب اور ایک غلط نظامِ فکر سے متاثر ہوتی ہیں اس کا توڑ یہی ہو سکتا ہے کہ یہاں ایک اسلامی یونیورسٹی کی تشکیل کی جائے جو آرٹس کے علاوہ سائنس اور انجینیرنگ کے مضامین کی بھی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنے۔ اپنے اس خیال کی دلکشی کے چند اور قدر دان بھی ملے، جن کے ذہنی اور مالی تعاون سے انہوں نے اسلامی یونیورسٹی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا۔ مئی کے اوائل میں مجھے اُن کا دعوت نامہ ملا۔ اس میں مجھ سے چاہا گیا تھا کہ میں اپنی تقریر میں یہ بتاؤں کہ علم اور تعلیم ہی انقلاب امامت کا ذریعہ ہیں۔ ابتداً ارادہ تھا کہ چلا جاؤں گا۔ بعد میں صحت پر دو حملے ایسے ہوئے کہ میں نے طے کر لیا کہ اتنے طویل سفر کی کھکیڑ اٹھانا میرے بس کا روگ نہیں چنانچہ سفر کے لیے کسی بھی قسم کی تیاری کا خیال چھوڑ کر میں دوسرے مشاغل میں لگ گیا۔ جون کے شروع میں ذکی الدین صاحب نے نیویارک سے براہ راست مجھے ٹرنک کال کر کے کانفرنس کی صورتِ حال سے آگاہ کر کے تقاضا کیا کہ اگر تم بھی نہ آئے تو ہماری پوزیشن بہت خراب ہو گی۔ دوسری طرف انہوں نے امیر جماعت

میاں طفیل محمد صاحب کے ذریعے الگ دباؤ ڈالا۔ چارو ناچار سرتسلیم خم کر دیا۔ روانگی سے پانچ چھ دن پہلے جانے کا فیصلہ ہوا جب کہ پاسپورٹ سمیت کاغذات تیار نہ تھے۔ نہ دوڑ بھاگ کے لیے میرے پاس وقت تھا۔ برادر عزیز فیض الرحمٰن صاحب (دار العروبہ، منصورہ) نے بھرپور تعاون بہم پہنچایا۔ یہاں تک کہ ۱۹ ر کو میں لاہور سے روانہ ہوگیا۔ خیال تو تھا کہ کانفرنس کے پہلے روز ہی پہنچ جاؤں گا، مگر سفر میں ایسے پیچ وخم پیش آئے کہ بس آخری روز کے اجلاس ہی میں شرکت کر سکا۔ کئی مندوبین یا مہمان دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے۔ اور اُن میں سے کچھ چلے بھی گئے تھے۔ اجلاس میں خواتین کا بھی خاصا تناسب تھا۔

میرا خیال ہے کہ میں اس تقریر کا خلاصہ بھی عرض کر دوں جو میں نے اسلامی یونیورسٹی کانفرنس نیو یارک کے آخری اجلاس میں کی تھی۔

انگریزی کے آٹھ دس جملوں میں تاخیر سے پہنچنے، اور انگریزی زبان میں ایک اہم موضوع پر خاص تیاری کے بغیر جس کا وقت ہی نہ ملا تھا) گھٹی ہوئی تقریر روانی سے نہ کر سکنے کی معذرت کرنے کے بعد، میں نے اردو میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جن کا انگریزی ترجمہ اجلاس میں پیش کر دیا گیا۔ پھر کچھ سوالات ہوئے، ان کے جوابات عرض کیے گئے۔

میری تقریر کے نکات یہ تھے:

۱۔ دنیا میں جب کبھی کوئی انقلاب آتا ہے تو اس کے پیچھے ایک خاص طرح کا سرمایۂ علم اور ایک فکری نہج کام کر رہا ہوتا ہے۔ انقلاب کا سلوگن یا طغریٰ ایک خاص طرح کے علم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۲۔ اِس سرزمین پر جب انقلاب آیا تو اس کے ہاتھ میں اعلامیہ آزادی کا پرچم تھا۔ یہ اعلامیہ انسانیت کے احترام اور اُسے خدا کی طرف سے ملنے والے غیر منفک مساویانہ حقوق آزادی کے اعتراف پر مشتمل تھا۔

لے سوچا میں تو ارادہ یہ تھا کہ جلسے سے پہلے تقریر کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ صورت میں لے جاؤں گا اور اس کو پڑھ دوں گا، نیز مطبوعہ کاپیاں تقسیم کر دی جائیں گی۔ مگر بعد میں تو اُردو کی تقریر کو بھی بطور خاص تیار کرنے کا موقع نہ ملا۔ تقریباً فی البدیہہ ہی بات کرنی پڑی۔

امریکی اعلامیۂ آزادی میں کچھ ایسی سچائیاں تھیں کہ جن کی طرف ساری دنیا کی توجہ مبذول ہوئی اور ایک نگاہ اُمید سے اقوامِ عالم نے اس طرف دیکھنا شروع کیا کہ اس انقلاب سے اب کیا ظہور میں آتا ہے۔

۳- لیکن جب عملاً امریکہ کی نئی سیاسی زندگی تاریخ کی راہ پر چلی تو امریکہ کی اصل ریڈ انڈین آبادی اور افریقہ سے جبراً پکڑ پکڑ کر لے جائے ہوئے غلاموں کی نسل کو خداوندانِ تہذیب کے ہاتھوں نہایت خوفناک وحشیانہ سلوک سے گزرنا پڑا۔ اسی کے ساتھ ساتھ سرمایہ پرستی نے زور پکڑا، طبقاتی تقسیم بڑھتی گئی، انتخابی سازباز، سیاسی جوڑ توڑ اور سفارتی ہیر پھیر اپنی مکروہ شکلوں کے ساتھ نمایاں ہونے لگے، جرائم کی افزائش، اخلاقی فرومائیگی اور جنسی بے راہ روی نے معاشرے کی مذہبی و روحانی اقدار اور انسانی رابطوں کو تباہ کرنا شروع کیا اور ملحدانہ، مادہ پرستانہ اور حیوانی تصورِ حیات پوری طرح چھا گیا۔

۴- اس تجربے نے شہادت دی کہ امریکی انقلاب اور اس کے اعلامیہ آزادی کے پیچھے جو علم کام کر رہا تھا وہ پوری طرح حقیقت و صداقت کا آئینہ دار نہ تھا۔

یہی بات انقلابِ برطانیہ و فرانس پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

۵- آج یہ بات اور بھی نمایاں ہوگئی کہ امریکہ جس روزافزوں سرمایۂ علم کے بل پہ کھڑا ہے، وہ اسے اتنا معمولی سا منصفانہ نقطۂ نظر دینے میں کوتاہ ہے کہ ایک جیسے حالات کے لیے یکساں اُصول برتے جائیں۔ اگر اسرائیل جوہری بم بنا لے اور اس کے لیے بحری قزاقی سے یورینیم حاصل کر لے، اور بھارت کئی کئی ایٹمی بھٹیاں اور ری ایکٹر قائم کر کے جوہری دھماکہ بھی کر لے تو اس سے کوئی وجہ پریشانی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن پاکستان اگر محض صنعتی پاور کے حصول کے لیے جوہری توانائی سے کام لینے کی تگ و دو کرے تو پوری ڈپلومیٹ قوت اس کے خلاف صرف کر دی جائے بلکہ یہودی ذہن کے تحت کام کرنے والی پروپیگنڈا مشینری اسلامی ہائیڈروجن بم کی ایسی شاندار کہانی تیار کر کے پھیلاتی ہے کہ مغرب کا ذہین و فطین آدمی یوں محسوس کرتا ہے کہ بس بم اُس کے سر پہ آ کے پھٹا کہ پھٹا۔ اتنا ہی نہیں، امریکی ڈپلومیسی کھلم کھلا روس اور بھارت اور اسرائیل کو اُکساتی ہے کہ وہ پاکستان کے جوہری مرکز کو تباہ کرنے کے لیے جارحانہ اقدامات کریں، بلکہ آخری اطلاع یہ ہے کہ خود امریکہ کے وائٹ ہاؤس میں ایسی کھسر پھسر ہو رہی ہے۔

پھر یہ دیکھیے کہ امریکی انقلاب جس کی اساس ہی اس تصور پہ ہے کہ ایک دائمی بھاری اکثریت کے نقطۂ نظر کے مطابق) جس طرح کا سیاسی نظام چاہے قائم کرے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے (باقی برصفحہ ۳۸)

اجماعِ اُمت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت

از طیّب شاہین لودھی

اجماع اسلامی قانون کے ماخذوں میں تیسرا اہم ماخذ ہے۔ اصول فقہ کے ماہرین نے ان الفاظ میں اجماع کی تعریف کی ہے:۔

ھو اتفاق مجتھدی امۃِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات
محمدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ و	کے بعد کسی زمانے میں کسی مسئلے پر اُمت
سلم بعد وفاتہ فی عصرٍ من	مسلمہ کے مجتہدین کے اتفاق کو اجماع کہا
الاعصارِ علی امرٍ من الامور[1]	جاتا ہے۔

بعض اہل علم نے اجماع کی تعریف میں انقراضِ عصر کی قید بڑھائی ہے۔ یعنی مجتہد کی موت کے بعد اس کی رائے کو اجماع میں معتبر سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کی زندگی تک اس کی اپنی رائے سے رجوع کر لینے کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔ لیکن اکثر فقہا انقراض عصر کی شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اگرچہ شورٰی کا وجود تھا اور آپؐ کو حکم بھی تھا کہ آپؐ صحابہ کرام کو شریک مشورہ کریں تاہم آپ کسی مجلس کے فیصلے کے شرعاً پابند نہ تھے۔ کیونکہ وحی کی موجودگی میں کسی قانون ساز ادارے کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ خلافتِ راشدہ کے عصر میں ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مجلس شورٰی کے اجماعی فیصلے ملتے ہیں۔ جب بھی کوئی

---

[1] ارشاد الفحول۔ للشوکانی۔ طبع مصطفٰی البابی ۱۹۳۷ء۔ ص ۷۱۔

نیا مسئلہ درپیش ہوتا جس کی نظیر قرآن و سنت میں نہ ملتی تو یہ مسئلہ غور و فکر کے لیے مجلس شوریٰ میں پیش ہوتا۔ چنانچہ امام دارمیؒ اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں:-

"مسیّب بن رافع فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش ہوتا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت موجود نہ ہوتی تو تمام صحابہؓ اکٹھے ہو کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لیتے جو رائے وہ اختیار کرتے وہ حق ہوتی۔"[1]

امام دارمیؒ نقل کرتے ہیں:-

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی جھگڑا پیش ہوتا تو وہ کتاب اللہ میں غور کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حل نہ ملتا اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر آپ کے سامنے سنت میں سے کوئی نظیر موجود نہ ہوتی تو آپ باہر تشریف لاتے اور مسلمانوں سے پوچھتے کہ میرے سامنے فلاں فلاں جھگڑا پیش ہوا ہے۔ کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جھگڑے میں کوئی فیصلہ کیا ہو؟ بسا اوقات مسلمان اکٹھے ہو کر کہتے کہ ہاں انہیں یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے "الحمد للہ! ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے ہمارے رسول کی سنت کو محفوظ رکھا ہے۔" اگر سنت میں کوئی نظیر نہ ملتی تو آپ سرکردہ اور چیدہ چیدہ لوگوں کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے جس رائے پر وہ متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔"[2]

امام دارمیؒ نے اسی معنی میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے[3]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے راشدین بھی اپنے زمانہ خلافت میں اسی طریق کار

---

[1] سنن دارمی۔ طبع مدینہ منورہ۔ ۱۹۶۶ء ص ۷۶

[2] سنن دارمی ج ۱۔ ص ۵۳ [3] ایضاً ص ۵۴

کی پیروی کرتے رہے۔ اس قسم کے فیصلوں کو بعد کے ہر زمانے کے فقہاء نے حجت تسلیم کیا ہے۔

اجماع کی حجیت کے دلائل اب ہم قرآن وسنت کے وہ دلائل بیان کرتے ہیں جن سے علماء نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ [1]	تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے برپا کی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کی "خیریت" کی خبر دی ہے اور ساتھ ہی اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ امت من حیث المجموع "معروف" کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ امت جس امر کو معروف کہتی ہے وہی حقیقۃً معروف ہے اور جس کو منکر سمجھتی ہے وہ حقیقۃً منکر ہے۔ لہٰذا امت کے اجماعی فیصلے حق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا [2]	اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کے "امتِ وسط" ہونے کی اطلاع دی ہے۔ ہر شئی کا وسط اس کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ اگر امت کسی امرِ محظور پر ایکا کرے تو وہ "امتِ وسط" کی صفت سے متصف ہونے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ امتِ وسط محظورات پر ایکا نہیں کر سکتی تو یہ حقیقت اس بات کی موجب ہے کہ من حیث المجموع امتِ مسلمہ کا قول حجت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ	اور جو کوئی راہِ راست واضح ہو چکنے

---

[1] آلِ عمران - ۱۱۰ [2] البقرۃ - ۱۴۳

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ [1]	کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے تو ہم اسے اسی راہ پر ڈال دیں گے۔ جس راہ پر وہ چلتا ہے اور اسے ہم جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مخالف راستے پر چلنے اور رسول کی مخالفت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ اگر مسلمانوں کی مخالفت جائز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے مخالفتِ رسول کے ساتھ جمع نہ کرتا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے اور ایسے فتوے کی پیروی کرنا جائز نہیں جو مسلمانوں کی متفقہ رائے کے خلاف ہو۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ۔	میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ لوگ حق پر ہوں گے۔

امام ابن حزمؒ نے اسی حدیث کو امام مسلمؒ سے اپنی سند کیساتھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

لَنْ تَزَالَ طَآئِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرَةٌ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ [2]	میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور ان سے علیحدہ ہونے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے

---

[1] النسآء ۔ ۱۱۵

[2] المحلّیٰ لابن حزمؒ ۔ طبع منیریہ مصر ۱۳۴۷ھ ج ۱ ۔ ص ۵۴

اس حدیث میں استدلال کا پہلو بالکل واضح ہے کہ کسی بھی زمانے میں تمام امتِ مسلمہ ایک لمحے کے لئے بھی کسی گمراہی پہ ایکا نہیں کر سکتی۔

امام ترمذی جناب عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ اَوْ قَالَ اُمَّةُ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) عَلٰی ضَلَالَةٍ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَی النَّارِ [1]

میری امت یا فرمایا امتِ محمدیہ گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں جا پڑا۔

امام ترمذیؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَةِ [2]

اللہ تعالیٰ کی تائید جماعت کے ساتھ ہے

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امتِ مسلمہ گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اور امت کے اجماع کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔ نیز جو مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے راستے کی پیروی کرتا وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔

امام ابو داؤد حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ [3]

جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار پھینکا۔

---

[1] جامع الترمذی مع شرحہ تحفۃ الاحوذی طبع بیروت ج ۳ ص ۲۰۷۔

[2] تحفۃ الاحوذی جلد ۳ صـ ۲۰۸

[3] جمع الفوائد ج ۱ - ص ۵۵۸ بحوالہ ابو داؤد

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "الرسالۃ" میں مندرجہ ذیل احادیث سے اجماعِ امت کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

نضّر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها۔ فرب حامل فقهٍ غیر فقیهٍ ورب حامل فقهٍ الی من هو افقه منه۔ ثلاث لا یغلّ علیهم قلب مسلمٍ، اخلاص العمل للہ، والنصیحة للمسلمین ولزوم جماعتهم۔ فان دعوتهم تحیط من ورائهم۔ ؎۱

اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو تازہ رو رکھے جس نے میری بات کو سنا۔ اس کو یاد کیا اس کو محفوظ رکھا اور پھر اس کو (اسی طرح) ادا کر دیا۔ بہت سے حامل فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے حامل فقہ (اس کو) اپنے سے زیادہ فقیہ کی طرف منتقل کر دیتے ہیں تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی مسلمان کا دل خیانت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص عمل، مسلمانوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ ان کی دعا ان کا پیچھے سے احاطہ کئے ہوئے ہے (یعنی وہ انہیں گمراہی اور شیطان کی چالوں سے محفوظ رکھتی ہے۔)

عبداللہ بن سلیمان بن یسار اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جابیہ کے مقام پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام فینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اسی طرح کھڑے ہوئے جس طرح

؎۱ کتاب الرسالۃ بتحقیق احمد محمد شاکر، فقرہ ۱۱۰۲، امام دارمی نے اسے جناب ابو الدرداءؓ سے بھی روایت کیا ہے ج ۱ ص ۶۶

كمقامي فيكم فقال اكرموا اصحابي ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يظهر الكذب حتى ان رجل يحلف ولا يستحلف ويشهد ولا يستشهد ۔ الا من سره بحبوحة الجنة فيلزم الجماعة فان الشيطان مع الفذ وهو من الاثنين ابعد [۱]

میں آپ کے درمیان کھڑا ہوں اور فرمایا میرے صحابہ کی عزت وتکریم کرو۔ پھر ان لوگوں کی جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ پھر ان لوگوں کی جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر جھوٹ کا دور دورہ ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک آدمی حلف اٹھائے گا حالانکہ اس سے حلف اٹھانے کے لئے نہ کہا جائے گا۔ ایک آدمی (جھوٹی) گواہی دے گا حالانکہ اسے گواہی کے لئے نہ بلایا گیا ہو گا۔ جسے جنت کی نعمت اور آرام پسند ہے اسے چاہیئے کہ وہ جماعت کے ساتھ رہے۔ کیونکہ اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو افراد سے دور تر ہوتا ہے۔

جب مناظر امام شافعی سے لزوم جماعت کا معنی پوچھتا ہے تو جناب امام نہایت خوبصورت طریقے سے اجماع کی حجیّت پر استدلال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"جب مسلمانوں کی جماعت مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہو تو کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بدنی لحاظ سے مسلمانوں کی تمام جماعت کے ساتھ رہ سکے۔ کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ مسلمان اور کافر، اہل تقویٰ اور فاجر لوگ اکٹھے رہتے ہیں۔ اس طرح بدنی لحاظ سے تمام مسلمانوں کے اکٹھے رہنے کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ ممکن بھی نہیں اور چونکہ اجتماعِ ابدان سے لزوم کا کوئی معنی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے بدنی لحاظ سے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا لزوم جماعت کا

---

[۱] الرسالۃ الشافعیؒ فقرہ ۱۳۱۵

معنی نہیں دیتا ۔ لہذا لزومِ جماعت کا اب اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں کہ تحریم و تحلیل اور اطاعت کے جن اصولوں پر مسلمانوں کی جماعت کاربند ہے ان کو لازم پکڑے ۔

جو شخص جماعتِ مسلمین کی متفقہ رائے کے ساتھ اتفاق کرتا ہے وہ درحقیقت لزومِ جماعت ہی کا التزام کرتا ہے، اور جو جماعت کے متفق علیہ امر کی مخالفت کرتا ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کرتا ہے جس کے ساتھ رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے میں تو خطاء کا پہلو ہو سکتا ہے لیکن کتاب و سنت کا مفہوم و معنی متعین کرنے یا قیاس میں پوری جماعت غفلت اور غلط کا شکار نہیں ہو سکتی۔[1]

خبر متواتر اور اجماع میں معنوی مماثلت

خبرِ متواتر کے تواتر اور اجماع میں معنوی مماثلت پائی جاتی ہے۔ خبرِ متواتر کی حجیت کی بنیاد اس اصول پر ہوتی ہے کہ راویوں کے ایک جمِ غفیر کا کسی جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہے۔ اسی طرح جب امت کے تمام مجتہدین قرآن و سنت کی کسی تعبیر، کسی حکم کی علت کے استنباط یا کسی مصلحتِ عامہ کے وجود پر اتفاق کر لیتے ہیں تو اس خطاء کو مبنی بر خطا ہونا اہلِ منطق کے استخراج کے مطابق عقلاً خواہ ممکن ہو لیکن شرعاً اور عادۃً محال ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہائے حنفیہ نے صحابہ کرام کے اجماعِ قطعی کو خبرِ متواتر کے مساوی قرار دیا ہے۔

فقہائے امت کی آراء

جمہور ائمہ مسلمین اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ اس کی تفصیلات میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امامیہ، بعض خوارج، اور معتزلہ میں سے نظام اجماع کو حجت نہیں مانتے۔

علمائے احناف کی تصریحات کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اجماع اپنی تمام اقسام کے ساتھ حجت ہے۔ بعض علماء نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح قرآن و سنت کی نصوص کے بعد اہلِ کوفہ کے تعامل کو بھی حجت مانتے تھے۔[2] لیکن علامہ ابن تیمیہ رح

[1] کتاب الرسالۃ۔ فقرہ نمبر ۱۳۱۹، ۱۳۲۰

[2] ابو حنیفہ رح۔ مصنفہ پروفیسر ابو زہرہ مرحوم۔ ترجمہ رئیس احمد جعفری مرحوم۔ ص ۵۱۰

لیے ان روایات کو غلط قرار دیا ہے[1]۔ مالکیہ کے برعکس اجماع کے متعلق علمائے احناف کے عمومی تعامل سے بھی ان روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔ حنفیہ اپنے اصولوں میں اہل کوفہ کے تعامل کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ صحابہ کرام کے اجماع کو حجت تسلیم کرتے تھے۔

جب ہم موطأ امام مالک کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک ائمہ اسلام میں سے سب سے زیادہ اجماع سے استناد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے موطا میں بار بار ان الفاظ میں مدینہ کے اہل علم کے اجتماعی مسلک کا ذکر کیا ہے۔ "هذا ادركت عليه اهل العلم ببلدنا"[2] کبھی فرماتے ہیں: "الامر مجتمع عليه عندنا"[3] کبھی اہل مدینہ کے اتفاق کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وهذا الامر الذي لا اختلاف فيه[4] کبھی یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ "الذي لم يزل عليه اهل العلم ببلدنا"[5] کبھی ان الفاظ میں اہلِ علم کے اجماع کی طرف اشارہ کرتے ہیں لم يزل ذلك من امر الناس عندنا[6] اور کبھی پیرایہ یہ ہوتا ہے کہ وهذا الامر الذي كانت عليه الجماعة ببلدنا[7] یہ ہیں وہ الفاظ جو امام مالکؒ بار بار استعمال کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرعیات میں اپنے شہر کے اہلِ علم کے اجماع کو حجت مانتے ہیں تمام امت کا اجماع تو بدرجہ اولی حجت ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک اجماع دراصل اہلِ مدینہ ہی کا اجماع ہے۔ ان کے اصحاب نے اس مسئلہ کو جس طرح بیان کیا ہے۔

۱؎ فتاوی ابن تیمیہ، طبع سعودی۔ ج ۲۰، ص ۳۰۰۔

۲؎ اسی مسلک پر میں نے اپنے شہر میں اہلِ علم کو پایا ہے

۳؎ ہمارے ہاں یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے۔

۴؎ یہ ہے وہ مسلک جس پر ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔

۵؎ ہمارے شہر کے اہلِ علم ہمیشہ سے اسی مسلک پر چلے آرہے ہیں۔

۶؎ ہمارے ہاں ہمیشہ سے لوگوں کی یہی رائے ہے۔

۷؎ یہ ہے وہ رائے جس پر ہمارے شہر کے علماء کی جماعت کاربند ہے۔

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک اہلِ مدینہ کے اجماع سے صرف وہی اجماع مراد ہے جو قرونِ ثلاثہ مُفضّلہ میں منعقد ہوا ہو۔ ورنہ بعد کے زمانوں کے اجماعِ اہلِ مدینہ کو خود مالک بھی حجت تسلیم نہیں کرتے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اجماع کو قانون سازی کے اہم ماخذ کے طور پر تسلیم کیا ہے بلکہ وہ پہلے اہلِ علم ہیں جنہوں نے اصولِ فقہ کی اپنی مشہور کتاب میں اسے مستقل طور پر تسلیم کر کے اس کی حجیت کے دلائل پیش کئے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ اکثر ایسے مسائل جن پر علماء اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں، استقراء کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انعقادِ اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ صرف صحابہؓ کرامؓ کے اجماع کے انعقاد کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بعد کے زمانے کے علماء کے اجماع کو ممکن العلم قرار نہیں دیتے۔ اہلِ علم نے جناب امام کے قول مَنِ ادّعیٰ وجوب الاجماعِ فھُوَ کاذبٌ کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ علامہ ابو مسلم اصفہانیؒ صحابہ کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع کو مختلف قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"صحابہ کرام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع کی اطلاع ہونا ممکن نہیں، لیکن صحابہ کرام کی قلتِ تعداد کی بنا پر جہاں کہیں ان کا اجماع منعقد ہوگا (اس کی اطلاع ہو جائے گی) اب اسلام کے پھیلنے کے بعد علماء کی کثرت کی بنا پر انعقادِ اجماع کے متعلق معلوم کرنا ممکن نہیں۔ امام احمد کی یہی رائے ہے، حالانکہ جنابِ امام کا زمانہ عہدِ صحابہ سے بہت قریب تھا جناب امام بے پناہ قوت حافظہ کے مالک اور امورِ نقلیہ پر کثیر الاطلاع تھے ایک انصاف پسند شخص جانتا ہے کہ اسے صرف اسی اجماع کی خبر ہے جس کے متعلق اسے کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ ان سے سماع کے بغیر اجماع کے انعقاد کی اطلاع کا حصول ممکن نہیں۔ یا اہلِ تواتر کی نقل کے ذریعے بھی انعقادِ اجماع کی اطلاع ہونا عصرِ صحابہ کے سوا ممکن نہیں" ؎۱

؎۱ ارشاد الفحول، للشوکانی ص ۷۳۔

بعض علماء نے امام احمدؒ کا مذہب نقل کیا ہے کہ کثرت رائے سے اجماع منعقد ہو جاتا ہے اور اس اصول پر اصحاب امام احمدؒ نے تفریعات بھی کی ہیں۔ امام غزالیؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ قلیت کے اختلاف کے باوجود کثرت رائے سے اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔ علامہ آمدیؒ نے امام ابن جریر رحمہ سے بھی یہی رائے نقل کی ہے[۱]۔ حنفیہ میں سے ابوبکر رازیؒ اور شمس الائمہ سرخسی کی بھی یہی رائے ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں۔ ہماری رائے میں اگر کسی مسئلے میں ایک مجتہد بھی اختلاف رائے کا اظہار کرتا ہے تو اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ کثرت رائے حجت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی اور ضلالت پر عدم اجتماع کی شہادت پوری اُمت کے لیے دی ہے، اختلاف کی صورت میں ممکن ہے حق وصواب اختلافِ رائے کرنے والے مجتہد کے ساتھ ہو۔

اجماع کے مسلک میں امام احمدؒ، امام شافعیؒ کی پیروی کرتے ہیں۔ جہاں تک عصرِ صحابہ کے بعد انعقادِ اجماع کے امکانِ علم سے ان کے انکار کا تعلق ہے تو اس کے لیے اُن کے پاس ٹھوس وجوہات ہیں جن میں سے بعض ہم علامہ ابو مسلم اصفہانی کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں۔ دراصل خلافتِ راشدہ کے دَور میں شوریٰ ایک منظم ادارے کی صورت میں اپنی پوری فعالیت کے ساتھ موجود تھی۔ صحابہ کرام میں سے اصحاب اجتہاد بھی معروف اور چند مقامات پر مجتمع تھے۔ پھر جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ خلفائے راشدین نئے پیش آنے والے مسائل میں قرآن وسنت کی رہنمائی کی عدم موجودگی کی صورت میں مجلس شوریٰ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام جب کسی متفقہ فیصلے پر پہنچ جاتے تو اس فیصلے کی اطلاع سب کو ہو جایا کرتی تھی اور یہ اجتماعی فیصلہ اجماع کی صورت اختیار کر جایا کرتا تھا۔ دُور افتادہ دیار وامصار کے گورنر اور قاضی حضرات بھی ان اجماعی فیصلوں کی پیروی کرنے کے پابند ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود اپنے قاضیوں کو اس کی پیروی کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے قاضی شریح کو لکھا:

---

[۱] ارشاد الفحول للشوکانی۔ ص ۸۹۔

اِقضِ بِمَا فِی کتاب الله	کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، اگر کتاب
فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیمَا فِی	اللہ میں (کوئی حکم) نہ پاؤ تو سنت کے
سنة رسولِ اللهِ فان	مطابق فیصلہ کرو، اگر سنت میں بھی کوئی
لم تجد فیما قضیٰ	حکم نہ پاؤ۔ تو اپنے سے پہلے صالح لوگوں
الصالحون قبلك و	کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو، ایک
فی روایة فیما اجمع	روایت میں آتا ہے کہ جس پر مسلمانوں کا
علیه المسلمون [۱]	اجماع ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔

اسی اثر کو امام دارمیؒ نے قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ علیه الناس فَخُذْ بِه [۲]

خلفائے راشدین کے مقدس دور کے بعد جب خلافت کا ادارہ عملی طور پر ملوکیت میں تبدیل ہو گیا اور حکمرانوں کے جبر و استبداد کی وجہ سے شوریٰ اپنے وجود کے باوجود اپنی افادیت کھو بیٹھی اور اہلِ علم اقتدار سے دور ہٹ گئے تو شوریٰ پر سے عوام کا اعتماد بالکل اٹھ گیا درحقیقت حکمران بھی بقول علامہ اقبالؒ یہی چاہتے تھے کہ علماء انفرادی طور پر تو اجتہاد کرتے رہیں، مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ایسا منظم ادارہ موجود ہو جو ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہو۔ اس لئے بعد میں آنے والے خلفاء اجماعی فیصلے کرنے کے مقام پر نہ تھے۔ اس لئے ان کے فیصلوں کو کبھی بھی اجماعی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء اور گورنر بعض خاص مسائل میں استفتاء کی صورت میں علماء کو سوالنامے بھیجا کرتے تھے۔ علماء کا جواب موصول ہونے پر ان کے فتویٰ کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل اختیار کرنے کی کوشش کرتے۔ امام ابو عُبید قاسم بن سلام نے اسی قسم کا ایک سوالنامہ اپنی مشہور تصنیف "کتاب الاموال" میں نقل کیا ہے جو عبد الملک بن صالح والی قبرص نے

---

[۱] فتاویٰ ابن تیمیہؒ۔ ج ۱۹ ص ۲۰۱

[۲] سنن الدارمیؒ۔ ج ۱ ص ۵۵۔

کسی مسئلہ پر بعض فقہا کو بھیجا تھا، جن میں لیث بن سعدؒ، مالک بن انسؒ، سفیان بن عیینہؒ موسیٰ بن اعینؒ، اسمٰعیل بن عیاشؒ، یحییٰ بن حمزہؒ، ابو اسحاق فزاریؒ اور مخلد بن حسین کے اسمائے گرامی کا ذکر آیا ہے[1] بایں ہمہ قانون سازی کا کوئی منظم ادارہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس پورے دور میں اجماع کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تمام ممالک اسلامیہ میں قانون سازی کا کام فقہائے متبوعین کی فقہ اور قاضی حضرات کے فیصلوں اور فتووں کی بنیاد پر چلتا تھا۔ اگرچہ قاضی حضرات سابقہ فیصلوں سے کبھی کبھار استناد کر لیتے تھے۔ تاہم وہ ان فیصلوں کی نظیر کے پابند نہ تھے۔ لہٰذا مشرق سے مغرب تک پھیلی اسلامی مملکت میں رسل و رسائل اور ابلاغ عامہ کے انتہائی ناقص انتظامات کے ہونے ہوئے بکھرے ہوئے اہل علم کا کسی خاص مسئلہ میں کسی اجتماعی فیصلے پر پہنچنا ایک محال امر تھا۔ عباسیوں کے دور انحطاط میں جب خلافت اسلامیہ مختلف خود مختار سلطنتوں میں بٹ گئی تو انعقادِ اجماع بالکل ہی ناممکن ہو گیا۔ ورنہ اجماع کی حجیت فی نفسہٖ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک متنازع فیہ نہیں۔

امام داؤد بن علی ظاہری اور علامہ ابن حزمؒ رحمۃ اللہ علیہما صرف صحابہ کے اجماع کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ ان الفاظ میں اجماع کی تعریف کرتے ہیں۔

والاجماعُ هو ما تيقّن انّ جميع اصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلم عرفوه وقالوا به ولم يختلف منهم احدٌ[2]	اجماع یہ ہے کہ اس امر کا یقین ہو جائے کہ تمام صحابہ کرام کو اس مسئلے کا علم تھا انہوں نے اسی کے مطابق رائے کا اظہار کیا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس بارے میں اختلاف نہیں کیا۔

---

[1] کتاب الاموال، لابی عبید قاسم بن سلام۔ اردو ترجمہ طبع ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ج ۱ ص ۳۲۲ امام ابو عبیدؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں ان فقہا کے خطوط جو انہوں نے اس استفتاء کے جواب میں لکھے تھے، عبدالملک کے دفتر سے ملے ہیں اور انہوں نے خود ان کا مطالعہ کیا ہے۔

[2] المحلّٰی، لابن حزم بتحقیق احمد محمد شاکر طبع منیریہ۔ ج ۱۔ ص ۵۴۔

امام داؤد ظاہریؒ اور امام ابن حزمؒ صرف ان امور میں صحابہ کرام کا اجماع تسلیم کرتے ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیے ہوں۔ چونکہ وہ قیاس اور تعلیلِ احکام کے قائل نہیں۔ اس لئے وہ ان امور میں اجماع کو تسلیم نہیں کرتے جن کو کسی اصولِ نص پر قیاس کر کے استنباط کیا گیا ہو۔ ان کی رائے میں صرف وہی اجماع قابلِ اعتبار ہے جو کسی نص پر مبنی ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع بلا خوف حجت ہے۔ البتہ قاضی عبدالوہاب مالکیؒ بعض اہل بدعت سے نقل کرتے ہیں کہ اجماعِ صحابہ حجت نہیں۔ ظاہریہ جیسا کہ سابقہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ صرف صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہی اجماع تسلیم کرتے ہیں۔ اجماع صحابہ کی مخالفت کرنا کسی صورت جائز نہیں۔ جناب امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کسی چیز پر متفق ہو جاتے ہیں تو ہم سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ البتہ علامہ اقبالؒ رحمۃ اللہ علیہ نے "امر واقعی" اور "امر قانونی" پر اجماع صحابہؓ میں امتیاز کرتے ہوئے علامہ ابوالحسن کرخیؒ جو مذہب حنفی کے ائمہ تخریج میں شمار ہوتے ہیں کے حوالے سے لکھا ہے۔

"لہٰذا ہم کرخی کی سند پر یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی امر قانونی میں) صحابہ کرامؓ کا اجماع ہمارے لئے حجت نہیں۔ کرخی کہتا ہے۔ صحابہؓ کا طریق انہیں باتوں میں حجت ہے جن میں قیاس سے کام نہیں چلتا جن معاملات میں قیاس سے کام لیا جاتا ہے۔ ان میں ہم اسے حجت نہیں ٹھہرائیں گے۔"[1]

علامہ مرحوم کی محولہ بالا عبارت اور اس کے سیاق و سباق سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ اجتہادی امور میں صحابہ کرامؓ کے اجماع کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے مؤقف کی تائید کے لئے علامہ کرخی کی سند لاتے ہیں۔ لیکن ہماری معلومات کی حد تک علامہ صاحب نے اجماعِ صحابہؓ کے بارے میں علامہ ابوالحسن کرخی کا جو مسلک نقل کیا ہے اس کو کرخی کی طرف

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ ترجمہ سید نذیر نیازی طبع بزم اقبال ۱۹۵۸ء ص ۲۷۰

منسوب کرنا صحیح نہیں۔ تمام علمائے احناف اجماعِ صحابہؓ کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمہ نے تو اجماع کے سلسلے میں یہاں تک لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع (جو یقینی طور پر معلوم ہو) حجیت میں کتاب اللہ اور خبر متواتر کے مساوی ہے گویا اجماع صحابہؓ اپنی قطعیت میں خبرِ واحد پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ علامہ صاحب نے کرخیؒ کی جس رائے سے سندلی ہے وہ دراصل صحابہ کے اجماع کے بارے میں نہیں بلکہ قول صحابہ کی حجیت کے ضمن میں آتی ہے۔ چنانچہ علامہ نسفی رحمہ اصول فقہ کے اپنے مشہور رسالہ "المنار" میں رقمطراز ہیں۔

تقلیدُ الصحابِی واجبٌ یُترَكُ بہ القیاس وقال الکرخی لا یجب تقلیدہ الا فیما لا یُدرَك بالقیاس۔ وقال الشافعی لا یقلَّد احدٌ منھم وقد اتفق عمل اصحابنا بالتقلید فیما لا یعقل بالقیاس۔	قول صحابی کی پیروی واجب ہے، اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا کرخی کہتے ہیں کہ صحابی کے قول کی صرف ان معاملات میں تقلید کی جائے گی جن کا ہم قیاس کے ذریعے ادراک نہیں کر سکتے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کی تقلید نہیں کی جائے گی ہمارے اصحاب نے ان امور میں بالاتفاق صحابی کی تقلید پر عمل کیا ہے جنہیں قیاس کے ذریعے عقل کی گرفت میں نہیں لایا جا سکتا [1]

نیز پروفیسر ابوزہرہ رحمہ نے بھی قولِ صحابی کی حجیت کے ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق میں علامہ کرخی رحمہ کی وہی رائے بیان کی ہے جو "نور الانوار" کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے ہیں علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کرخی رحمہ کا جو حوالہ دیا ہے اس کا ماخذ کیا ہے۔

(باقی)

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ مصنفہ ابوزہرہ رحمہ اردو ترجمہ سید رئیس احمد جعفری ؒ ص ۵۰۴ ص ۵۰۵

حضرت امام ابو حنیفہؒ

سنہ ۸۰ھ تا سنہ ۱۵۰ھ

عبدالرشید عراقی۔ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ

(مؤلف مضمون نے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کا پیرو نہ ہونے کے باوجود جس محبت سے اُن کا مختصر تذکرہ لکھا ہے، ہم اسے مسرت کے ساتھ شائع کرتے ہوئے ملت کے تمام مدرسہ ہائے فکر کے متوسلین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کے لیے ایسا ہی نقطۂ نظر اختیار کریں تاکہ اختلافات افتراق کا ذریعہ نہ بن سکیں۔ ادارہ)

نام و نسب | نعمان بن ثابت نام، کنیت ابو حنیفہؒ، سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

سکونت | کوفہ امام صاحب کا مولد و مسکن ہے، جو اسلام کی وسعت و تمدن کا دیباچہ تھا۔

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد علم نبوت کے تین مراکز تھے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ۔ مکہ معظمہ کے سب سے بڑے معلم حضرت ابن عباسؓ تھے۔ مدینہ منورہ کے حضرت ابن عمرؓ اور کوفہ کے حضرت ابن مسعودؓ"

حضرت علیؓ جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپؓ نے مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا اور حضرت علیؓ کی شہادت بھی کوفہ میں ہوئی۔ کوفہ علم کا مرکز تھا اور اجلۂ صحابہ کرام یہاں سکونت پذیر رہے۔

تحصیلِ علم | امام صاحب بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے بے شمار ائمہ کرام محدثینِ عظام اور فقہائے اعلام سے استفادہ کیا۔ مگر سب سے زیادہ تحصیل آپ نے حضرت حمادؒ سے کی۔

حضرت حماد مشہور فقیہ تھے۔ سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔

امام صاحب کے تابعی ہونے پر بحث امام صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت چار صحابہ رضؓ کرام زندہ تھے۔

۱۔ حضرت انس رضؓ بن مالک خادم خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم	المتوفی سنہ ۹۳ھ
۲۔ حضرت سہیل بن سعد انصاری	المتوفی سنہ ۹۵ھ
۳۔ حضرت عبداللہ بن بسر المازنی	المتوفی سنہ ۹۶ھ
۴۔ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ	المتوفی سنہ ۱۰۲ھ

لیکن اس میں جمہور محدثین کا اختلاف ہے کہ امام صاحب کی ان سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں۔ اور بعض محدثین اس طرف گئے ہیں کہ آپ کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں بلکہ دیدار کیا ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ فرماتے ہیں:۔

لم یلق ابو حنیفۃ احداً من الصحابۃ الا انہ رأی انساً بعینہ ولم یسمع منہ[1]

ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی، مگر حضرت انس رضؓ کا دیدار کیا ہے اور ان سے سماع حدیث نہیں کی۔
امام خطیب بغدادی نے بھی امام دارقطنی سے پورا اتفاق کیا ہے اور فرماتے ہیں:

ابوحنیفہؒ کا سماع حضرت انس رضؓ سے ثابت نہیں[2]

فقہ میں امام صاحب کے استاد حماد بن ابی سلیمان۔ عطاء بن رباح۔ ابی اسحاق سبیعی۔ محارب بن دثار۔ نافع مولائے ابن عمر رضؓ۔

تلامذہ امام صاحب کے تلامذہ کا شمار دشوار ہے۔ اور بعض ائمہ نے آپ کے تلامذہ کی جو فہرست شائع کی ہے۔ وہ سینکڑوں سے متجاوز ہے مگر آپ کے مشہور تلامذہ مندرجہ ذیل ہیں جنہوں نے ان کے علم وفضل کو چار دانگ عالم میں پھیلایا۔

---

[1] تبییض الصحیفہ ص ۵

[2] تاریخ بغداد جلد ۹ ص ۱۱۱۔

فقہائے کرام میں :- امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام حسنؒ بن زیاد۔

محدثین عظام میں :- امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام مالک بن انسؒ، اور امام مسعر بن کدامؒ

صوفیائے کرام میں :- فضیل بن عیاضؒ اور داؤد طائیؒ۔

زہد و ورع نہایت متقی، پرہیزگار اور پاکباز تھے، خشوع و خضوع کی پیشانی سے نہریں بہتی تھیں۔ اکثر خاموش رہتے۔

جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے پانچ سال تک اُن کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اُن سے زیادہ خاموش آدمی کسی کو نہیں دیکھا۔ ہاں جب کوئی علمی بحث چھڑ جاتی تو پھر بلا کی روانی آجاتی۔ پھر یوں رواں ہوتے جیسے دریا اُمڈ آیا ہے۔

ان کی علمی صحبتیں، غیبت و بدگوئی کے عیب سے بالکل پاک ہوتیں۔ حالانکہ یہ علماء کا ہمہ گیر عیب ہے۔ عام طور پر اچھی سے اچھی علمی نشستوں میں بھی ذکرِ غیر کسی نہ کسی انداز سے آ ہی جاتا ہے کہ اس کے بغیر محفل میں رونق پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت امام عبداللہؒ بن مبارک نے حضرت امام سفیان ثوری سے ازراہ تعجب یہ کہا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہاں غیبت کا بالکل ارتکاب نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواب میں کہا:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ بہت عقلمند ہیں۔ اپنی نیکیوں پر دوسروں کو کیوں مسلط کریں"!

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ پہنچ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ پارسا اور متقی کون شخص ہے؟ تو لوگوں نے کہا: امام ابو حنیفہؒ!

اور امام عبداللہ بن مبارک کا خود یہ قول ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ متقی، پارسا، پرہیزگار، خاموش طبع اور کسی کو نہیں دیکھا، حالانکہ اُن کی مال و دولت سے آزمائش کی گئی تھی۔

امام صاحب کی ایک اہم فضیلت بخاری و مسلم اور ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، طبرانی و احمد نے حضرت ابن مسعودؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے:-

لوکان العلم الثریا لتناولہ اناس من ابناء فارس[1]

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۶۔

ترجمہ: اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے کچھ لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔

حضورؐ کی اس پیش گوئی کا مصداق بعض علمائے کرام نے امام ابوحنیفہؒ کو قرار دیا ہے جیساکہ علامہ سیوطی اور ابن حجر مکی نے تصریح کی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اس پیش گوئی کو امام صاحب پر ہی چسپاں کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں،

"فقیر گفت امام ابوحنیفہؒ دریں حکم داخل است"

ترجمہ:۔ یعنی کہ میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ اس میں داخل ہے۔

ذہنی صلاحیت

امام صاحب کی ذہانت و فراست و عقل کو سب تسلیم کرتے ہیں اور ائمہ کرام اور محدثین عظام نے آپ کی فراست و ذہانت کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

امام مالکؒ سے کسی نے پوچھا کہ اُن کے استدلال میں کتنی قوت ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ میں سب ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ فقہ دراصل ابوحنیفہؒ کی فقہ ہے۔

علی بن عاصم کا کہنا ہے کہ اگر آدھی دُنیا کی عقل ایک پلڑے میں، اور دوسرے پلڑے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عقل رکھی جائے تو امام صاحب کا پلّہ بھاری ہو گا۔

امام وکیع فرماتے ہیں کہ میں کسی ایسے عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہہ ہو اور اُن سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔

امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اپنے زمانے کے عالم تھے۔ ان کے بعد امام شعبی اپنے زمانے کے عالم ہوئے۔ اور اُن کے بعد امام ابوحنیفہؒ۔

یعنی یہ تینوں اپنے اپنے دَور میں بے مثال تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نظیر میری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔

ماخذ علم

امیر المومنین ابوجعفرؒ نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا؟ تو آپ نے فرمایا:۔

"میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔[1]

اقرنیات امام صاحب نے فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل تدوین کیے ہیں، اُن کی تعداد ۱۲ لاکھ ۷۰ ہزار سے زائد ہے۔

اور فقہ میں دقیق بحثیں اور تفریعات آپ ہی نے پیدا کیں۔ اور اس طرح بوقلموں تلامذہ کا ہجوم آپ ہی کو ملا جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے فقہ حنفی کو چمکا دیا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ کو دیکھیے کہ احادیث و تفریعات پر نظر رکھتے ہیں۔ حسن بن زیاد سوال و تفریع میں بلند پایہ ہیں۔ زفر قیاس میں امام ہیں۔ اور امام محمد سمجھ بوجھ اور اعراب و نحو میں باکمال

نقطہ اختلاف اُن کے مدرسۂ فقہ و استدلال سے محدثین کرام کو یہ اختلاف ہے کہ قیاس و استدلال کی ہمواریوں پر اس درجہ انہیں یقین ہے کہ بسا اوقات احادیث صحیحہ سے دامن چھوٹ چھوٹ گیا ہے۔ حضرت امام تو اس لیے اس بات سے معذور ٹھہرائے جا سکتے ہیں کہ ان کے وسائل علمی ہی اُس وقت اِسی کے متقاضی تھے۔ بعد کے تلامذہ و مقلدین نے تو حد ہی کر دی۔ خواہ مخواہ قیاس کو ہر آئینہ حق بجانب ٹھہرانے کی کوشش کی۔

ابتلاء دوسرے ائمہ و صلحاء کی طرح امام ابو حنیفہؒ کو بھی زمانہ کے پھیلائے ہوئے فتنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ابو جعفر منصور نے آپ کے سامنے مسند قضا پیش کی۔ مگر آپ نے از راہ استغناء اُسے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ ایسی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں کو قبول کرنا جو غیر اسلامی ہو، اس بات کے مترادف ہے کہ اس کے تمام مظالم کو حق بجانب ٹھہرایا جائے۔ امام اس نکتہ کو سمجھے ہوئے تھے، اور حکومت وقت اسی بناء پر اصرار کر رہی تھی۔ کیونکہ آپ کے ایک تقرر سے ساری غیر اسلامی فضا صحیح ٹھہرتی تھی، اور حکومت یہ کہہ سکتی تھی کہ اگر ہماری حکومت غیر آئینی یا غیر اسلامی ہوتی تو ابو حنیفہؒ اس میں اتنے بڑے منصب پر کیوں فائز ہوتے، مگر آپ نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار پر آپ کو شدید تازیانوں کی سزا دی گئی۔ اللہ اللہ حکومتیں بھی

[1] تاریخ بغداد جلد ۱۳ - ص ۳۳۴

کتنی ستم ظریف ہوتی ہیں۔ اتنا بڑا امام جس کی سطوتِ استدلال کے سامنے بڑوں بڑوں کی گردنیں جھکیں وہ ذلیل حکام کی ستیزہ کاری کا اس طرح شکار ہوا۔

امام احمد بن حنبل جب اس واقعہ کو یاد فرماتے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آتیں اور وہ رو دیتے۔

مناقب حضرت امام کے فضائل و مناقب میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن سے ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ عقود المرجان از امام طحاوی۔
۲۔ عقود المرجان کا اختصار عقود الدرر
۳۔ کتاب الشیخ از محمد بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ
۴۔ بستان فی مناقب النعمان
۵۔ الجواہر المضیئہ از شیخ محی الدین القرشی
۶۔ شقائق النعمان زمخشری
۷۔ کشف الاستار از عبداللہ محمد الحارثی
۸۔ کتاب الشیخ ظہیر الدین المرغینانی
۹۔ کتاب الشیخ مورخ بن المظفر فرادعلی (بغدادی)
۱۰۔ کتاب الانتصار

وفات خاندانِ نبوت میں واقعہ کربلا کے بعد متعدد افراد نے انقلابِ حکومت کی کوشش کی۔ محمد ذوالنفس الذکیہ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے مشورہ سے ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور امام صاحب نے برملا ان کی تائید کی۔ منصور پہلے ہی منصب قضا کے انکار کی وجہ سے آپ کے خلاف تھا۔ اب اس کو ایک اور دفع ہاتھ آگیا۔ اس لیے اس نے ۱۴۶ھ میں آپ کو قید کر دیا۔ قید خانہ ہی میں اس نے آپ کو زہر دلوایا۔ جب اس کا اثر آپ نے محسوس کیا تو سجدہ کیا، اور اسی حالت میں رجب ۱۵۰ھ میں اس جلیل القدر عالم نے اس دنیائے فانی سے دنیائے بقا کی طرف کوچ کیا —— اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

رسائل و مسائل

اسلام، موسیقی اور اختلاطِ مرد و زن

جناب ملک غلام علی صاحب

سوال: موسیقی بالخصوص ساز کے ساتھ گانا بجانا، آج کل تفریحِ طبع کا ایک لازمی جزو بن کر رہ گیا ہے اور اس میں جب تک عورت اور عورت کی آواز شامل نہ ہو، اُسے نامکمل اور بے لطف شمار کیا جاتا ہے۔ گھروں میں ریڈیو، ٹیلیویژن موجود ہیں جن کا اصل مقصد و مصرف موسیقی کا مشغلہ ہے۔ گھر کے لوگ کسی کام میں لگے ہوں، فارغ ہوں، سستا رہے ہوں یا گفتگو میں مصروف ہوں۔ اُن کے کان میں راگ کا زہر ضرور انڈیلا جاتا ہے۔ گاڑیوں میں، بسوں میں، دکانوں اور ہوٹلوں پر، شادی بیاہ کے مواقع پر موسیقی کا وجود ناگزیر ہے۔ اس کا چلن جیسا غیر مسلم معاشرے میں ہے، ویسا ہی مسلمانوں کے معاشرے میں بھی ہے۔

بہت سے مسلمانوں میں یہ احساس تک نہیں ہے کہ ناچ گانا اسلام میں ممنوع ہے۔ بعض لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ گانے بجانے اور عورت کے اس میں شریک ہونے کی حرمت قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ یہ محض ملائیت اور مولویوں کی من گھڑت ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کثافت کو ثقافت کا نام دے دیا گیا ہے اور حالیہ رمضان میں بھی یہ مشغلہ ریڈیو، ٹیلیویژن اور سینماؤں میں دھڑلے سے جاری رہا ہے، بلکہ پاکستان سے باہر بھی ایک طائفہ مردوں عورتوں پر مشتمل اسلام اور نظامِ مصطفیٰ کا منہ چڑانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس کے ساتھ خدا اور رسول کی فرمانبرداری اور کفایت شعاری کا وعظ بھی جاری ہے۔ بہرکیف اتمامِ حجت کی خاطر ضروری ہے کہ اس مسئلے میں کتاب و سنت کا موقف واضح کیا جائے اور اس برائی سے برأت ظاہر کی جائے۔

جواب: گانے بجانے کے جملہ ساز اور آلات جن سے راگ اور موسیقی کی آواز پیدا ہوتی ہے، اسلام میں اُن کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اُن کا استعمال تو درکنار اُن کا بنانا، بیچنا، خریدنا بھی ناجائز ہے۔ شادی بیاہ یا خوشی کے مواقع پر صرف دف بجانا جائز ہے یا ڈھول کو بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر مسند احمد میں وارد چند احادیث درج ذیل ہیں:۔

۱- عن ابی امامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ بعثنی رحمة للعالمین وھدی للعلمین وامرنی ربی عز وجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیة۔ لا یحل بیعھن ولا شراءھن ولا تعلیمھن ولا تجارة فیھن وثمنھن۔

(حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے بھیجا ہے جہان والوں کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمام آلاتِ موسیقی کو نیست و نابود کر دوں خواہ وہ منہ سے پھونک مار کر یا مضراب یا ہاتھ سے تانت کو چھیڑ کر بجائے جاتے ہوں، نیز میں بتوں، صلیبوں اور جاہلیت کی باتوں کا نام و نشان مٹا دوں۔ ان سب چیزوں کی خرید و فروخت، قیمت کا لین دین اور ان کا استعمال سکھانا حرام ہے)۔

۲- عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی اُمتی الخمر والمیسر والمیزر والقنبین، قال یزید القنبین البرابط (مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۵)

(حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر شراب، جوئے، جَو کی شراب، طبلے اور باجے کو حرام کر دیا ہے)۔

۳- عن نافع ان ابن عمر سمع صوت زمارة راع فوضع اصبعیة فی اذنیہ وعدل راحلتہ عن الطریق وھو یقول یا نافع اتسمع فاقول نعم فیمضی حتی قلت لا۔ فوضع یدیہ واعاد راحلتہ الی الطریق وقال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع صوت زمارة راع فصنع مثل ھذا۔ (مسند احمد، جلد ۲، ص ۸)

(حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک چرواہے کی بنسری کی آواز سنی تو آپ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنی سواری کو رستے سے ہٹا کر چلنے لگے (تاکہ آواز سے دور ہو جائیں) اور آپ کہتے جاتے تھے: اے نافع کیا تم بنسری کی آواز سن رہے ہو؟ اور میں کہتا تھا کہ: جی ہاں۔ حضرت ابن عمرؓ چلتے جاتے تھے یہاں تک کہ میں نے کہا: اب آواز نہیں آ رہی۔ تب آپ نے اپنی انگلیاں کانوں سے ہٹائیں، اپنی سواری کو رستے کی طرف لوٹایا اور فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک چرواہے کی بنسری کی آواز سنی تھی تو آپ نے ایسا ہی کیا تھا)۔

جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ گانے بجانے، بالخصوص نسوانی آواز میں گانے کی حرمت کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، یہ طرزِ استدلال دو پہلوؤں سے غلط ہے۔ اوّلاً ہم کسی مسلمان کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ یہ کہے کہ دین کے جملہ احکام و واجبات اور اوامر و نواہی کا ماخذ صرف قرآن مجید ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کے جملہ تفصیلی احکام قرآن میں موجود نہیں بلکہ ہر ایک کے لیے سنتِ نبویہ سے مراجعت اور رہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ تندرست کے لیے پانی کی موجودگی میں وضو اور طہارت کے بغیر نماز اور طواف ناجائز بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں وضو کے ارکان کا ذکر ہے لیکن سارے نواقض وضو مذکور نہیں ہیں۔ جو شخص سنّت کو ماخذ احکام نہیں سمجھتا، اس کا وضو اگر نماز یا طواف کے دوران میں ساقط ہو جائے گا اور وہ نماز یا طواف جاری رکھے گا تو وہ اجر و ثواب کے بجائے عقاب و عذاب کا مستحق ہوگا۔ یہی صورت بے شمار دوسرے احکام شرعیہ میں پیش آتی ہے۔ مثلاً جو شخص فقط قرآن کے اتباع کا دعویدار ہے کوئی وجہ نہیں کہ وہ سؤر کا گوشت تو نہ کھائے مگر کتے یا پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے بھی پرہیز یا انکار کرے کیونکہ ان کی حرمت قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

دوسری خامی اس استدلال میں یہ ہے کہ یہ اس غلط مفروضے اور دعوے پر مبنی ہے کہ قرآن مجید میں رقص و سرود اور گانے بجانے کے آلات کے ساتھ موسیقی کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس طرح کے مزعومات و مفروضات کا چلن آج کل عام ہے۔ حالانکہ جو شخص بھی غور و تدبر اور خدا کا خوف رکھتے ہوئے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا اسے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اکثر احکام و معاملات میں جو کچھ حدیث و

سنت میں بیان ہوا ہے، اس کی اصل قرآن میں بھی موجود ہے۔ بس مجمل و مفصل یا عموم و خصوص کا فرق ہے۔ مثلاً قرآن مجید، سورۂ نور، آیت ۳۱ میں پہلے فرمایا گیا:

"اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے ......"

پھر آخر میں فرمایا:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ

اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر یوں مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت یا زیور اُن کا پوشیدہ ہو اس کا علم (کھنکنے یا بجنے سے) دوسروں کو ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر عورت کے زیور اور وہ بھی پاؤں کے زیور کی جھنکار کا راہ چلتے پیدا ہونا اور سنا جانا قرآن نے ممنوع قرار دیا ہے تو عورت کی سُریلی آواز اور پھر ساز کے ساتھ آواز کا بلند ہونا اور اس کا ناچ گانا قرآن کی رُو سے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ عہدِ نبویؐ، عہدِ صحابہ بلکہ سلف سے خلف تک اس کی کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی کہ کسی صحابیہ یا کسی مسلم خاتون نے اذان دی ہو، مسجد میں تکبیر اقامت کہی ہو، قرآن مجید کی مسجد یا مجلس میں قراءتِ جہری کی ہو تو اس کے لیے کسی محفل یا ریڈیو اور ٹیلیویژن پر گانا بجانا اور درسِ عشق دینا آخر کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ سورۂ احزاب (۳۲) میں ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے حکم دیا گیا ہے اور تمام مسلم خواتین پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ:

"اگر تم خدا سے ڈرتی ہو تو ایسے نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ جس شخص کے دل میں بیماری ہو وہ کسی لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی طرح بات کرو۔"

ازواجِ مطہرات کے لیے اگر ایسے لہجے میں صحابہ کرام سے بات تک کرنے کی ممانعت ہے حالانکہ وہ امہات المومنین (تمام مسلمانوں کی مائیں) ہیں اور اُن کی حالتِ بیوگی میں اُن سے نکاح مسلمانوں کے لیے ابداً حرام تھا تو موجودہ دورِ فتن میں جب کہ اخلاقی فساد و انحطاط اپنی آخری حدود کو چھو رہا ہے، مخلوط مجالس کے اندر بے حجابانہ اختلاط اور ناچنا تھرکنا کیسے مباح ہو سکتا ہے؟ امام اگر نماز میں غلطی کرے تو مرد مقتدی کے لیے حکم ہے کہ وہ سبحان اللہ، اللہ اکبر کہہ کر امام کو متوجہ کرے مگر عورت کو بولنے

کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد کسی متقی مسلمان کی یہ کیسے جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ آج کل کے رنگا رنگ اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں کے جواز کا تصور بھی کرے اور ثقافتی طائفوں کو اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھجوانے اور گھمانے کو گوارا کرے اور اس کی ذمہ داری اپنے سر لے؟

خاتمۂ بحث کے طور پر مناسب ہوگا کہ آخر میں ایک اقتباس تفہیم القرآن سے بھی نقل کر دیا جائے۔

"یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار انداز گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مردوں کے سامنے بلا ضرورت آواز نکالنے سے بھی روکتا ہے، کیا وہ کبھی اس کو پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آ کر گائے، ناچے، تھرکے، بھاؤ بتائے اور ناز و نخرے دکھائے؟ کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے؟ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے کہ عورتیں ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ ادا کریں؟ یا ہوائی میزبان (AIR HOSTESS) بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کا دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟ یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟ یہ کلچر آخر کس قرآن سے برآمد کی گئی ہے؟ خدا کا نازل کردہ قرآن تو سب کے سامنے ہے اس میں کہیں اس کلچر کی گنجائش نظر آتی ہو تو اس مقام کی نشان دہی کر دی جائے۔"

(تفہیم القرآن جلد ۴ سورہ الاحزاب حاشیہ ۴۸
آخری پیراگراف - صفحہ ۸۹ - ۹۰)

مطبوعات

فقہائے ہند (جلد چہارم۔ حصہ اوّل)
مؤلفہ: جناب محمد اسحٰق بھٹی
ناشر: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
ضخامت: ۲۲ × ۱۸ سائز کے ۴۰۰ صفحات
قیمت: مجلد -/۱۶ روپے

یہ ایک قابلِ قدر کتاب ہے جو اپنے سلسلہ کی جلد چہارم کا حصہ اوّل ہے، اس میں گیارھویں صدی ہجری کے ۱۴۰ فقہا کے اجمالی حالات درج ہیں۔ دو شخصیتوں کے متعلق تفصیل سے لکھا گیا ہے: ایک حضرت مجدد الف ثانیؒ، دوسرے شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے کارناموں کے لحاظ سے یہ دونوں ضیا پاش شخصیتیں ہیں ہی ایسی کہ اجمال سے بھی تذکرہ کیجیے تو کئی کئی صفحات درکار ہیں۔ ان ہستیوں کے نام کا بڑا گہرا اثر بعد کی تاریخ اور مسلمانانِ برصغیر کے عقائد و افکار اور دینی جذبات پر پڑا ہے۔

"علمائے ہند کی شاندار ماضی" کے بعد "نزہتہ الخواطر" اور دوسری طرف شیخ اکرام صاحب کے سلسلہ "کوثریات" کے ذریعے برصغیر کے علماء، فقہاء، محدثین اور صوفیاء کے حالات کو سامنے لانے کا جو مفید کام شروع ہوا ہے اور آگے جاری ہے، وہ اسلامی نظام کی تحریک کی پیدا کردہ فضا کا تقاضا بھی ہے اور مسلمانوں کے جذبۂ احیائے اسلام کے لیے مفید بھی۔ برصغیر کا ماضی ہمارے اسلاف کی دینی خدمات کی لمعانیوں سے جس طرح منور رہا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم بدترین حالات میں گھر کر بھی رجوع الی الاسلام کی تڑپ رکھتے ہیں۔

ایسی کتابوں کا مرتب ہونا، شائع ہونا، پھیلنا اور پڑھا جانا خواص و عوام کے اپنے کردار کے لیے بھی اور ملت کے مجموعی مقاصد کے لیے بھی مفید ہے۔

فقہائے ہند کا مقدمہ بھی خصوصی اہمیت رکھتا ہے اور پوری کتاب بڑی تحقیق و کاوش کی مرہون ہے۔

ضیائے حرم کا صدیق اکبرؓ نمبر
مدیر اعلیٰ : پیر محمد کرم شاہ صاحب
ضخامت : ۴۳۲ صفحات
قیمت : ۱۵/- روپے
پتہ : کاشانۂ نظامی، رضوی اسٹریٹ فلیمنگ روڈ۔ لاہور

پیر محمد کرم شاہ (ایم اے الازہر) سجادہ نشین بھیرہ، ضلع سرگودھا کی خدماتِ ملّیہ میں سے ایک ماہنامہ ضیائے حرم ہے۔ محترم پیر صاحب جہاں اپنے دینی تصورات پر مضبوطی سے قائم ہیں، وہاں انہوں نے فرقہ واریت کے تنگ دائروں سے بلند ہو کر اُمتِ محمدیؐ کے تمام گروہوں کے لیے اپنے جذبۂ محبت و اخلاص کا دامن وسیع رکھا ہے۔ اس کا بہترین مظہر "ضیائے حرم" ہے، جو ابوزاہد نظامی کے ہاتھوں مرتب ہو کر ہر ماہ صدہا افراد تک پہنچتا ہے اور خواص و عوام کے دینی افکار و جذبات کی آبیاری کرتا ہے۔

جن اصحاب نے ضیائے حرم کا فاروق اعظمؓ نمبر دیکھا ہے، وہی اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب جو صدیق اکبرؓ نمبر سامنے آیا ہے، وہ کیسا ہوگا پیر صاحب کے حلقۂ روابط اور ضیائے حرم کے دائرہ اثر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نمبر میں تقریباً تمام مدارسِ فکر کے اہلِ قلم کی نظم و نثر نگارشات شامل ہیں۔ خود پیر صاحب کے قلم سے اداریے سمیت چار چیدہ تحریریں اس نمبر کا حصہ ہیں۔ اِن مضامین رنگا رنگ میں جناب صدیق اکبرؓ کی شخصیت، اُن کے قبولِ اسلام، اُن کی رفاقتِ نبوت اُن کے مناقب و فضائل، اُن کی مساعی جہاد، اُن کے جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ، اپنے مشکل دورِ حکومت میں اُن کے عزیمت کے مظاہر، نبوت کے جھوٹے مدعیوں اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی، سلطانی میں درویشی کی شان، عدل و احسان کے طریقوں سے عوام کی خدمت، نیز گھریلو زندگی اور ذاتی تجارت سے لے کر بہ حیثیت خلیفہ، جہاد اور تعلیم عوام اور ملّت کی معاشی فلاح تک کی مساعی کا تذکرہ اس نمبر میں آ گیا ہے۔

خوبصورت سرورق کے ساتھ شائع ہونے والے اس نمبر کو پڑھ کر کوئی بھی مخلص آدمی یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی معیارات کے مطابق خلیفۂ اوّل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا بھر کے انسانوں میں بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔

محمد عربی (سیرتِ پاک)
مؤلف: محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی
ناشر: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور
ضخامت: درسی سائز کے پونے پانچ سو صفحات
قیمت: ۱۶ روپے ۵۰ پیسے

نبی پاک کی سیرت پر یہ ایک مختصر اور عام فہم کتاب ہے۔ یہ عورتوں، بچوں اور متوسط خواندہ لوگوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔ سیرت پاک کو ذریعۂ دعوت بنانے کے لیے جو کتابیں لکھی گئی ہیں، "محمد عربی" (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی بھی ان میں سے ایک ہے۔

زبان میں ادبیت ہے، مگر بھاری بھرکم قسم کی نہیں۔ انداز بیان کہیں مکالماتی ہے، کہیں اس میں خفیف سا ڈرامائی رنگ آجاتا ہے۔ اس وجہ سے ایک خاص دلچسپی اس میں ہے۔ باوجود اختصار کے ضروری معلومات، واقعات کی تاریخیں اور ان سے متعلق اشخاص کے نام وغیرہ شامل ہیں۔

میری رائے میں یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ طباعتی معیار بہت اچھا ہے۔

جلوۂ فاراں (سیرتِ پاک)
مؤلف: محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی
ناشر: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور
ضخامت: ۳۳۳ صفحات
قیمت: ۱۵/ روپے

اس کتاب کو مندرجہ بالا کتاب (محمد عربی) کا دوسرا حصہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر یہ اسی کا استدراک ہے۔ "محمد عربی" میں جن پہلوؤں سے کوئی تشنگی رہ گئی تھی، ان کو "جلوۂ فاراں" میں پورا کیا گیا ہے۔ نیز اول الذکر کا زیادہ تر زور مکی دور پر ہے۔ مگر اس کتاب میں مدنی دور کے بہت سے پہلو تفصیل سے اجاگر ہو گئے ہیں۔ خاص قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مؤلف کو نقشِ ثانی تیار کرنے سے پہلے سیرت سے متعلق عربی کے کچھ جدید لٹریچر کے مطالعہ کا موقع ملا۔ "جلوۂ فاراں" میں ادبی رنگ اور کہانی کا سا مکالماتی اور ڈرامائی عنصر زیادہ نمایاں ہے۔

طباعتی معیار اس کتاب کا بھی اول الذکر کے مطابق ہے۔

(بقیہ اشارات) اس پر فخر کرنے والی حکومت ایران کی مسلم قوم کی مرضی سے قائم ہونے والی حکومت کو ناپسند کرتی ہے اور طرح طرح سے خفیہ مداخلتیں اور پروپیگنڈے کی تراکیب استعمال کر کے اُسے ناکام یا خراب کرنا چاہتی ہے۔

امریکہ کسی قوم یا اقلیت کی نسل کشی کا مخالف ہے۔ مگر حال ہی میں بھارت میں جمشید پور، علی گڈھ، سری نگر اور مغربی بنگال کے علاقوں میں صرف مسلم اقلیت کے جان و مال اور آبروؤں کی بڑے پیمانے پر تباہی عمل میں آئی ہے۔ اس پر امریکہ کو کوئی اضطراب نہیں ہوتا۔ اور اس سے پہلے بھی بارہا مسلم کش فسادات ہو چکے ہیں، اُن کے لیے امریکہ نے نہ اقوام متحدہ میں، نہ بھارت میں ڈپلومیٹک تعلقات کے واسطے سے اور نہ پروپیگنڈے کے ذریعے مسلمانوں کی نسل کشی کے اس مسلسل عمل کو روکنے کی کوئی کوشش کی ہے۔

کیا یہی نسل کشی اریٹیریا میں، فلسطین میں، فلپائن میں، برما میں نہیں ہو رہی۔ کیا کیا امریکہ نے؟ ویت نام سے دو لاکھ کی تعداد میں چینی نسل کے جوان، بوڑھے، بچے، عورتیں حکومت کے رویے سے تنگ آکر اپنے گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر، ترک وطن کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دیتے ہیں۔ دُنیا کا کوئی ملک انہیں قبول کرنے پر تیار نہیں۔ قلیل سی تعداد کو امریکہ نے قبول کیا، مگر باقی بھاری تعداد کا حشر وہی ہو گا جو ڈیڑھ دو لاکھ کا ہو چکا۔ یعنی سمندر میں ڈوب جائے۔

اس طرح دُنیا کے چپے چپے پر انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں، مگر انسانی حقوق کا نعرۂ مستانہ لگانے والے کارٹر صاحب کا ایک رواں بھی حرکت میں نہیں آتا۔

جو علم عالمی سربراہی کرنے والی ایک بڑی قوم کو انصاف کے ایک بنیادی اصول کا قائل اور اس پر عامل نہیں بنا سکا۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ انسانیت کی رہبری کر کے اُسے امن و سلامتی تک لے جائے۔

۶۔ دوسری بار دُنیا نے بڑی اُمیدوں کے ساتھ اشتراکی انقلاب کے ساز سے اُٹھنے والے نغمۂ مساوات پر توجہ مبذول کی۔ مگر چند ہی سال کے عملی تجربات نے بتایا کہ یہ انقلاب انسانوں اور انسانوں کو لڑا کر بے تحاشا خونریزی کرانے والا، محنت کشوں کو بے بس کر کے ایک جماعتی آمریت کی گرفت میں دینے والا، ایک نئے طرز کی طبقاتی تقسیم اور آمدنیوں کی تفاوت پیدا کرنے والا اور ساری دُنیا میں خفیہ سازشی سرگرمیاں پیدا کرنے والا ہے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود اشتراکی معاشروں میں تقسیم کا عمل شروع ہوا اور دُنیا بھر کے مزدوروں کو ایک

کرنے والے خود ایک نہ رہ سکے ـــــــــ ۔ خود روس میں اشتراکی تسلط کی سخت گیری کے باوجود حقوق طلبی کی اجتماعی آوازیں اٹھنے لگیں، ادیبوں اور سائنسدانوں نے اس نظامِ جبر کے خلاف اس کے اندر سے آواز اٹھائی جس کے نتیجے میں کئی ممتاز شخصیتوں کو جیلوں اور پاگل خانوں میں رہنے کے علاوہ ملک سے نکلنا پڑا۔

بین الاقوامی لحاظ سے چیکوسلوویکیہ اور ہنگری کو زیر اثر لینے کے لیے جس عریاں جارحیت سے کام لیا گیا تھا اسے تو ہم دُور کے لوگ پوری طرح سمجھ نہ سکے تھے، لیکن اب ہمارے بالکل پڑوسی مسلم ملک افغانستان میں ہتھوڑے درانتی کا جو رقص شروع ہوا ہے۔ اس کے اسرار و رموز کیسے چھپے رہ سکتے۔ سازشی راستے سے قتل و غارت کر کے ترکی حکومت مسند آرا ہوئی۔ پھر علماء اور قوم کے ما اثر افراد کو ہزاروں کی تعداد میں تلواروں اور صلیبوں کا شکار بنایا گیا، بالآخر پہاڑوں میں بسنے والے عوام بے سروسامانی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ملک کا بڑا حصہ ترکی حکومت اور اس کے سرپرست روسیوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ یہ اتنا بڑا خونی ریفرنڈم دنیا کے سامنے ہو گیا ہے کہ اب کسی بدترین ظالمانہ کارروائی سے روس پورے افغانستان کو کچل کے بھی رکھ دے تو بھی جو حقیقت سامنے آچکی ہے اس پر خطِ نسخ نہیں کھینچا جا سکتا۔

اس ساری تاریخ سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشتراکی انقلاب مساوات انسانی اور غیر طبقہ داری معاشرے اور محنت کش کی قدر و قیمت کو بڑھانے کے جن نعروں کے ساتھ ابھرا تھا، ان کی بنیاد جس علم پر تھی وہ ناقص علم تھا۔

۷۔ دراصل موجودہ دَور کا وہ سرمایۂ علم اساس کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ جس کے سرچشمے سے مغربی اقوام اور اشتراکی قوموں نے استفادہ کیا ہے۔ یعنی ایسا علم جو حواس اور قیاس کے ذرائع سے حاصل شدہ ہے۔ اب وہ حقائق جو حواس اور قیاس کی گرفت میں نہیں آسکتے، لیکن جن کو متعین کیے بغیر زندگی کا مقصد اور منہج طے نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے بارے میں ملحدانہ اور مادہ پرستانہ علوم گونگے ہیں۔

۸۔ جامع اور مکمل علم، جس کی روشنی میں انسانی زندگی راہ ہدایت پا سکتی ہے۔ وہ وہ ہے جس میں حواس و قیاس کی کوتاہی کو پورا کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ علم اسلام کا بہم پہنچایا ہوا علم ہے اور اسلام حواس اور قیاس کی کوتاہیوں کو علمِ وحی سے پورا کرتا ہے۔

۹۔ اب اگر احیائے اسلام کی مہم اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کی تحریک ہمارے پیش نظر ہو تو

اس کی اوّلین ضرورت یہی ہے کہ اس العلم کو موجودہ اور نئی نسلوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا جائے جس کی بنا پر ہمارا یہ طرزِ عمل طے ہوا تھا کہ اسلام کا مقصد اللہ کے بندوں کو، غیر اللہ کی بندگی و طاعت سے نکال کر اللہ کی بندگی و طاعت میں لانا ہے۔

۱۰۔ اسلامی فلسفۂ علم کی رو سے علم کے دو بڑے شعبے ہیں۔ ایک علم ابدان، دوسرے علم ادیان۔ آجکل کی دنیا علم ابدان میں بہت آگے نکل گئی ہے، یعنی اشیاء۔ موجودات، فلزات اور حرکت و حرارت کے علوم میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ ان علوم کے بل پر انسانیت نے معاشی لحاظ سے اور دفاعی لحاظ سے بڑی قوت حاصل کی ہے، مگر جہاں تک انسانی رویّوں اور رابطوں اور زندگی کی قدروں اور غایات کا معاملہ ہے، علم کے اس دوسرے شعبے میں جدید دَور بہت ہی پسماندہ ہے بلکہ وہ اسی مقام پر ہے جہاں جاہلی اور وحشیانہ دَور کی اقوام تھیں۔ ہماری بڑی قوموں کی سرپرستی میں پرورش یافتہ تہذیب ایک لنگڑی تہذیب ہے جس کا ایک پاؤں تو چاند اور مریخ تک پہنچتا ہے مگر دوسرا دلدل میں پھنسا رہ گیا ہے۔

علم کے دونوں شعبوں کو مساویانہ اور متوازن طور پر ہم آہنگ رکھ کر آگے بڑھنا اسلامی حکمت ہے۔

۱۱۔ اسلام آیا تو کچھ اعلامیے اور منشور اس کی طرف سے پیش کئے گئے تھے، عملاً وہ سب جوں کے توں پورے ہوئے، انسانوں کو مساوات و عدل کا وہ مقام ملا جس کی کوئی دوسری مثال کسی دوسری قوم یا سلطنت یا تحریک کی طرف سے سامنے نہیں لائی جا سکتی۔ انسانوں نے جس رفتار سے معاشی ترقی کی جس رفتار سے دفاعی قوت حاصل کی، اس کے مقابلے میں اُن کا اخلاقی استحکام کچھ زیادہ ہی تھا، اور اس کی وجہ سے اُن کی اوّل الذکر سرگرمیوں میں بھی زیادہ جان تھی۔

۱۲۔ یہاں میں امریکہ والوں سے اور ساری جدید دُنیا سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جو ڈراؤنی تصویر آپ کے سامنے متعصب پادریوں اور کج نظر مستشرقین نے تیار کر کے رکھی ہیں، اس کی قید سے نکل کر اسلام کو اس کی اصل صورت میں جاننے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اسلام کوئی خوفناک نظام نہیں، بلکہ وہ ایک نظامِ رحمت ہے۔ وہ دس برس کی جس کشمکش کے نتیجے میں ۱۰ لاکھ مربع میل پہ قائم ہوا تھا، اس میں خود حملہ کرنے والے دشمن کی صرف ۵۹، جانیں گئیں۔ یہ غیر خونی اور مصلحانہ انقلاب جب کامیاب ہوا تو

محض اختلاف رائے کی بناء پر کسی ایک فرد سے بھی تعرض نہیں کیا گیا۔ اسلامی ریاست کے سربراہوں نے غیر مسلم معذوروں کو بھی بیت المال میں سے وظائف دیے۔ جس طرح اسلام کے معیاری دور میں اقلیتوں کے معبدوں اور ان کے دینی اکابر، اور ان کے عام حقوق کی حفاظت کی گئی۔ آج کی کوئی مہذب ترین حکومت بھی ویسی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ غیر محاربی لوگوں، بوڑھوں، بیماروں، عورتوں اور بچوں پر تلوار اُٹھانے کا مسلم سپاہیوں کو اذن نہ تھا۔ کبھی سرحدیں بند نہیں کی گئیں، کبھی معاہدات نہیں توڑے گئے ایک ادنیٰ غلام نے بھی اگر کسی دشمن کو امان دے دی تو ساری جماعت نے اس کا احترام کیا۔ اسلامی معاشرے میں اسراف اور تبذیر کی ممانعت تھی لہٰذا ایسی اونچ نیچ کبھی نہ پیدا ہوسکی کہ ایک بڑا طبقہ روٹی کپڑے اور مکان سے محروم رہے۔ اگر کسی شخص کی کوئی ضرورت اٹکی تھی تو اُسے پورا کرنے کے لیے اس کے رشتہ دار اور اس کے پڑوسی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔ بصورت دیگر سب سے اُوپر قوم کا خزانہ موجود تھا کہ وہ اس کی کفالت کرے۔

۱۳۔ آج اسی نظام رحمت کے احیاء کی تحریکیں جہاں جہاں نتائج دکھا رہی ہیں۔ وہاں امریکہ اور مغرب والے مزاحمانہ سازشوں اور پراپیگنڈے سے کام لے رہے ہیں حالانکہ انہیں چاہیے کہ وہ ان تجربوں کو بلا مداخلت برگ و بار لانے دیں۔ کیا عجب کہ مادہ پرستی جس نقطہ ناکامی پر آکے رُک گئی وہاں سے آگے ایک نیا راستہ نکل آئے۔

میں امریکہ اور یورپ کے شہریوں اور خصوصاً نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسلام کو خود سمجھیں اور اپنے معاشروں میں خود اسلامی انقلاب کے علمبردار بنیں۔

ہر معقول آدمی کو ایسے نظامِ رحمت کا خیر مقدم کرنا چاہیے اور اُسے براہ راست اس کے سرچشموں سے سمجھنا چاہیے۔ علم و حکمت کے اس دور میں ذہین نوجوانوں کا شعور متعصب پادریوں اور مستشرقوں کے بنائے ہوئے قفس میں محبوس رہے تو یہ بہت افسوسناک ہے۔

۱۴۔ یہ ہے وہ نظامِ رحمت جس کے بنیادی علم کو فروغ دینے کے لیے اس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا ہے۔ آپ سارے امکانات کو دیکھیے اور ذرائع کا جائزہ لیجیے، اس کام کو آج آپ کرسکیں یا کچھ مدت بعد احباب بھی جو قدم اس کے لیے اُٹھا سکیں، وہ قدم اسلامی علوم کے فروغ کے لیے ہوگا اور نتیجتاً انقلابِ امامت کے لیے۔

اسلامی یونیورسٹی امریکہ کے داعی ذکی الدین صاحب بڑے مخلص اور دردمند آدمی ہیں، انہوں نے ایک اسلامی مکتبہ چلا رکھا ہے، اور ہم نے دیکھا کہ وہ سفر میں کتابوں کے بھاری کارٹن ساتھ لے کے نکلے، اور جہاں گئے اُن کی رسد طلب سے کم رہی۔ وہ ایک جامع مسجد "مسجد فاروق" کا انتظام چلانے میں بھی پیش پیش ہیں جو خرید کردہ عمارت میں واقع ہے۔

اُن کے خلوص کو ملحوظ رکھ کر ہی بعد کی کسی پرائیویٹ نشست میں خود اُن کے بات چھیڑنے پر عرض کیا گیا کہ یونیورسٹی کے کام کو اگر کرنا ہو تو اس کی منزلِ اول یہ ہے کہ آپ یہاں کے مسلم ماہرینِ تعلیم کی ایک کانفرنس بلائیں اور اس میں پبلک کو مدعو نہ کریں، بلکہ خود اپنے لیے اُن سے رہنمائی حاصل کریں کہ آیا یہ خیال قابلِ عمل ہے، اس کے مسائل کیا کیا ہیں؟ اس کی مشکلات اور ضروریات کون کونسی ہیں؟ کام کی اسکیم کیا ہونی چاہیے؟ طلبہ، اساتذہ، نصاب، عمارت اور مصارف کا بھی تصور ہونا چاہیے؟ یہ بھی اندازہ لگایا جائے کہ اس میں کتنی مدت لگے گی اور اس مدت میں کس تدریج سے کون کون سے اقدامات ہوں گے؟ اس طرح ایک واضح نقشۂ کار (BLUE PRINT) مرتب ہو جانا چاہیے جسے آپ کسی بھی جگہ بات کرتے ہوئے پیش کر سکیں۔ نیز صحیح طریق کار یہ ہوگا کہ آپ ایک اسلامی یونیورسٹی بورڈ یا کوئی کمیٹی وغیرہ تعلیم، انتظامی امور، قانون کے ماہرین پر مشتمل تشکیل دیں جس میں فروغِ اسلام کے لیے کام کرنے والے جنون کیش کارکن نیز کچھ مالدار اصحاب شامل ہوں۔ اس بورڈ یا کمیٹی میں آپ کو مناسب مقام دیا جائے لیکن مقام جو بھی ملے، آپ کی توجہ اس پر رہے کہ کام بہترین معیار سے ہو سکے۔ آگے چل کے یہ بورڈ یا کمیٹی اسلامی یونیورسٹی ٹرسٹ قائم کر کے اس کے تحت اموال و املاک کو اکٹھا کرے۔ جب تک یہ نہ ہو آپ صرف دو کام کر سکتے ہیں: ایک یہ کہ اپنے جذبہ و خیال کو پھیلاتے رہیں، دوسرے یہ کہ کم سے کم ایک اسلامی مدرسہ یا مڈل اسکول سال دو سال میں قائم کر دیں، ممکن ہے کہ اس ابتدا کو آگے وسعت مل جائے۔

یہ بات بہرحال بالکل برادرانہ طور پر اُن کے ذہن نشین کر دی گئی کہ ابھی آپ بالکل سرسری ابتدائی اسٹیج میں ہیں۔

مختصراً میں اپنے رفقاء کو یہ بتا دینا مفید خیال کرتا ہوں کہ امریکہ میں مقامی (زیادہ تر سیاہ فام اور کم تعداد میں سفید فام) مسلمانوں سمیت جملہ تقریباً ۲۰ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں عرب، ایرانی،

ہندوستانی، پاکستانی، ترکی، عراقی، انڈونیشی اور افریقی سبھی علاقوں کے لوگ ہیں۔ ان مسلمانوں نے کچھ مراکز تبلیغ کے لیے اور کچھ سنٹر عبادات و تقاریب اور علمی و تعلیمی کاموں کے لیے کھول رکھے ہیں۔ کہیں ایک محلے یا شہر کے تعلق سے سب مجتمع ہیں، کہیں اپنے اپنے ملک اور اپنی زبان کے رابطے کے تحت۔ ایسے سنٹر اور مراکز مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف نیویارک شہر میں چھوٹے بڑے سنٹروں کی تعداد ایک صد سے زیادہ یا کچھ کم ہوگی۔ تبلیغی کام رابطہ عالم اسلامی کے مبلغین کے علاوہ پاکستان اور بھارت کی تحریک اسلامی کے متاثرین کرتے ہیں۔ پھر اپنی خاص طرز کی سرگرمی کے ساتھ تبلیغی جماعت کے وفود کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایم ایس اے نامی تنظیم بھی اس میں حصہ لیتی ہے۔ ایم ایس اے اس معنی میں نوڈھیلی اور نرم تنظیم ہے کہ اس میں مختلف ملکوں کے لوگ، مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف صلاحیتیں رکھنے والے اور اسلام سے مختلف درجوں کی وابستگی رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ یعنی اس تنظیم نے جو اولاً مسلم طلبہ کی تنظیم کی حیثیت سے قائم ہوئی تھی، اپنے حلقۂ تنظیم میں زیادہ سے زیادہ تعداد سمیٹ لی ہے۔ اس ادارے کا ایک بڑا مرکز ہے۔ اس کے تحت چھوٹے مراکز ہیں۔ اس کا اپنا پریس ہے، اپنے جرائد ہیں، مختلف زبانوں میں کتابیں چھپتی ہیں۔ نمازوں اور افطار و سحر کے اوقات نامے شائع کیے جاتے ہیں۔ نماز روزہ کے علاوہ ازدواجی اور دوسرے معاملات میں مسائل شرعیہ کو بھی انگریزی زبان میں چھاپا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں، انجینیروں، سوشل سائنٹسٹوں، ماہرین تعلیمات اور اسی طرح کے دوسرے مخصوص دائروں کے ماہرین کی کانفرنسیں بڑے پیمانے پر منعقد کی جاتی ہیں۔ ایم ایس اے کی سالانہ کانفرنس بہت عظیم الشان ہوتی ہے۔ ایم ایس اے کا ایک شعبہ جیلوں میں قید کاٹنے والے سیاہ فاموں کو دعوت اسلامی کا مخاطب بنائے ہوئے ہے۔ عام طور پر کام خط و کتابت اور لٹریچر سے چلایا جاتا ہے۔ خاص صورتوں میں ان کو امداد بھی دی جاتی ہے۔ جیل کے افسروں سے رابطہ کر کے بعض مسائل حل کرائے جاتے ہیں۔ اس کوشش کے نتیجے میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد اوسطاً ۱۵۰ افراد ماہانہ ہے اس کے ڈائرکٹر ایک قابل نوجوان ڈاکٹر انیس احمد ہیں۔

اسلام کے تحریکی تصور کا شعور رکھنے والے حضرات مختلف شہروں اور دیہی علاقوں میں اپنے اجتماعات کرتے ہیں۔ دوسرے دعوتی حلقوں سے تعاون بھی کرتے ہیں۔ ایم ایس اے جیسی تنظیموں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔

یہ امر بہت مبارک ہے کہ سخت مصروف زندگی میں مرد اور خواتین وقت نکالتے ہیں۔ دین کے لیے جمع ہوتے ہیں، جگہ جگہ قرآن و حدیث کے درس ہوتے ہیں، مساجد میں نمازیں ہوتی ہیں، جمعہ کے اجتماعات ہوتے ہیں اور عیدین پر تو مقررہ مقامات پر میلوں کی طرح ہجوم ہوتا ہے مکتنے ہی ماہانہ، ہفت روزہ، سائیکلوسٹائل کیے ہوئے، رسائل اور اخبارات اور خبرنامے اور دعوت نامے، جگہ جگہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ان ساری سرگرمیوں کے لیے خدا کے بندے خاصی رقوم خرچ کرتے ہیں۔ باہر سے مناسب شخصیتوں کو بھاری رقوم خرچ کر کے بلواتے ہیں اور پھر اُن کے دَوروں کے لیے مزید انفاق کرتے ہیں۔

اجمالاً یہ تصویر میں نے اس لیے پیش کی ہے کہ یہاں کے خادمانِ تحریک اسلامی کو ان باتوں سے خوشی ہوگی کہ آج خدا کے فضل سے امریکہ جیسے ملکوں (نیز برطانیہ، فرانس، جرمنی، بلجیم، ناروے، سویڈن وغیرہ) میں بھی ہماری اذانیں گونج رہی ہیں۔ کتنی ہی جگہ تو گرجوں کی عمارات خرید کر مساجد تیار کی گئی ہیں خدا مختلف طریقوں سے اپنے دین کے غلبے کے سامان کر رہا ہے فالحمد للہ علی ذٰلک۔

امریکہ میں مسلمانوں، خصوصاً داعیانِ حق کی مشکلات بھی ہیں، ان میں کچھ کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہاں کے حالات کی وجہ سے وہ بعض پیچیدگیوں میں بھی گھر جاتے ہیں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ وہ مشکلات و موانعات کے آگے جھکنے کے بجائے اپنا راستہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض اصحاب کا یہ رویہ مناسب نہیں کہ وہ اُن کو ملامت ہی کرتے رہتے ہیں۔

ایک اہم سوال پردے کے متعلق میرے سامنے آیا۔

جواباً عرض کیا کہ اگرچہ بعض حالات میں بعض مجبوریاں خواتین کے پردے کی حدود پر وقتی طور پر اثرانداز ہوسکتی ہیں، لیکن جونہی مجبوری رفع ہو، پردے کے حدود کو اپنی جگہ قائم ہو جانا چاہیے۔ رہے وہ لوگ جو مغربی معاشروں میں جا کر یہ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کا قانون پردہ بالکل ختم ہی ہوگیا تو اُن کا سوچنا درست نہیں۔ ایسے لوگ تو خود ہمارے اپنے ملک میں بھی ہیں، جنہوں نے "ترقی" کی مجبوری کے تحت قرآن و حدیث کی (نعوذ باللہ) تصحیح کر لی ہے۔

ایسے لوگ بڑی روشن مثال ہیں جو امریکہ یا یورپ میں رہ کر بھی پردہ کرتے ہیں۔ ایک خاتون کو میں

جانتا ہوں، وہ برقع اوڑھتی ہیں اور دوسروں میں برقعے کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اس کے لیے تیار رہتی ہیں کہ جہاں کوئی برقعے کے سِل نہ سکنے کا عذر کرے، اُسے خود سی دیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو اس خوبی کے لیے مشہور ہیں کہ اُن کی بیویاں مستقلاً پردہ کرتی ہیں۔ صرف مجبورانہ استثنائی حالات میں وہ بادل ناخواستہ پردے کے اصول و حدود میں کوئی کمی کرتی ہیں۔ میں نے اجتماعات میں ایسی نوعمر لڑکیوں کو دیکھا جنہوں نے اگرچہ برقع اوڑھا ہوا نہیں تھا۔ مگر اپنے سروں اور گردنوں پر ایسا کپڑا لپیٹ رکھا تھا جس میں صرف اُن کی آنکھوں کے لیے دیکھنے کا خلا تھا۔ اور بقیہ لباس بھی اتنا ڈھیلا اور سادہ تھا کہ کسی طرح اس پر زینت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایک دکان کے سامنے ایک بلالی مسلم کے ساتھ دس بارہ سال کی ایک بچی کو کھڑے اس حال میں باتیں کرتے دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کا مکمل برقع اوڑھے ہوئے تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس معمر شخص کی بیٹی یا بھتیجی ہوگی۔

دوسرا اہم سوال اس امر پر اُٹھا کہ امریکہ میں انفرادیت اور آزادیٔ رائے کی جو آب و ہوا اوّل روز سے پائی جاتی ہے وہ اِدھر سے جانے والے مسلمانوں پر بھی اثر کرتی ہے بلکہ بہت باشعور قسم کے اہل ایمان و دعوت بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ بعض دوستوں میں اجتماعیت کی جگہ تفرد[1] بہت جلد پیدا ہو جاتا ہے اور اس تفرد کے ساتھ عجیب چکر در چکر فلسفے نمودار ہوتے ہیں ان فلسفوں میں جو غوطے کھاتا رہ گیا اُسے خدا ہی بچائے۔

میں نے کسی مجلس میں موقع ملنے پر عام اصولی سی یہ باتیں عرض کیں کہ اہل ایمان میں باہم محبت ہونی چاہیے ان کا ملنا اور ایک دوسرے سے رخصت ہونا خدا کے لیے اور خدا کے دین کے لیے ہونا چاہیے۔ انہیں تمام معاملات و مسائل میں اجتماعی فضا میں غور و بحث کے ساتھ مشورے کرنے چاہئیں اور مشورے سے جو کچھ طے ہو اُس پر سرگرمی سے عمل کرنا چاہیے۔ آپس میں حسنِ ظن ضروری ہے۔ کوئی دوسرے کے خلاف محض اختلافات

---

[1] مثلاً سب سے پہلے یہی مثال عرض کر دینا کافی ہے کہ ایک دوست اسلامی یونیورسٹی کا تخیل لے کے اٹھے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور دوست مشرق و مغرب یونیورسٹی (EAST & WEST UNIVERSITY) کے پروگرام کے علمبردار ہیں ان دونوں میں کوئی رابطہ اس موضوع پر نہیں ہوا۔ میں ان دونوں کو یکساں قابل توجہ سمجھتا ہوں۔

کی وجہ سے غیبت کا ارتکاب نہ کرنے۔ میں نے وضاحت کی کہ کسی شخص کی ایک رائے یا تجویز کا ختم ہو جانا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ اجتماعیت ختم ہو جائے، یا باہمی محبت و رابطہ ختم ہو جائے، یا ایک متحدہ نظام کار ختم ہو جائے۔

ساتھ ہی میں یہ کہہ دوں کہ تمام لوگ جن سے میں ملا اُن کو مخلص پایا، کوئی شرارت پسند اور فتنہ گر نہیں ہے۔ بات محض اختلافات کی ہے جو انسانی زندگی اور اجتماعی سرگرمیوں کا لازمہ ہیں۔ کمی صرف یہ ہے کہ ہمارے دوستوں نے اسلامی فلسفۂ اختلاف کو متعین طور پر نہیں سمجھا۔ اور یہ بات امریکہ ہی کے لیے خاص نہیں۔ خود ہمارے اندر بھی کسی نہ کسی حد تک کام کرتی رہتی ہے۔ ملکی سطح پر تو آپ حضرات علماء کو دیکھتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو افتراق کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ کوئی اجتماعیت اسلامی فلسفۂ اختلاف کو اچھی طرح سمجھے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔

یہاں جو تذکرۂ احباب ہوا، اس سے غلط فہمی نہ ہو کہ کوئی خاص قضیہ ہے قضیہ کچھ بھی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہاں چونکہ تربیت گاہوں کا انعقاد آسان نہیں، زیادہ وقت کے اجتماعات نہیں ہو سکتے اس وجہ سے مختلف زرخیز ذہنوں میں جن نئی نئی آرا اور سوالات کی نشوونما ہوتی رہتی ہے، ان سے نہ سب لوگ آگاہ ہو سکتے ہیں اور نہ اُن کے جوابی پہلو واضح ہو سکتے ہیں۔ عملی صورت یہ ہے کہ ہونے والے کام ہوتے جاتے ہیں اور متفرق آرا کی روئیدگی وقتی بہار دکھا کر مرجھا جاتی ہے۔ بس اتنا کرم اللہ کا ہے کہ دوستیاں اور محبتیں اور اجتماعیت سلامت رہے۔ بظاہر ایسا ہے۔

اس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔

جہاں جہاں بھی جانا ہوا، اور جن اجتماعات میں بات کی جا سکی، مخاطب دوستوں کو (جن میں بسا اوقات دوسرے ممالک کے مسلم نوجوان بھی ہوتے) حسب ذیل اُمور کی طرف توجہ دلائی:

۱۔ آپ حضرات مختلف ملکوں اور علاقوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود دعوتِ اسلامی کے لیے مل کے کام کریں، اور اپنے اپنے ملکوں کے مخصوص مسائل بھی صرف اپنے حلقے تک محدود نہ رکھیں بلکہ دوسرے علاقوں کے دوستوں کو بھی اُن سے آگاہ کریں۔ میں نے کہا کہ ایران کا انقلاب ہو یا افغانستان کے مسلم قبائلیوں کا جہاد، یا ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کا مسئلہ، یا عراق اور شام میں پیدا ہونے والی نئی

صورتِ حالات، یا مصر کے معاہدۂ امن کے نتائج و اثرات، ایسے تمام مسائل ہم سب کے مشترک مسائل ہیں۔ ان پر مل جل کر سوچنا چاہیے اور آپس میں تعاون کرنا چاہیے۔ اپنی اپنی تنظیمیں اور سنٹر الگ رکھتے ہوئے بھی مہینے دو مہینے میں ایک بار سب کو شہر بہ شہر مشترک اجتماع کرنے چاہییں۔

۲۔ ایران کے پورے حالات بیان کر کے میں نے اس پر توجہ دلائی کہ وہاں کا بڑا مسئلہ مغربی قوموں کا مخالفانہ ردِ عمل ہے جو پروپیگنڈے کی شکل بھی اختیار کرتا ہے اور سازشوں کی بھی۔ پس ایران کو مسلمانانِ عالم کی اخلاقی تائید و حمایت ملنی چاہیے۔

۳۔ ہندوستانی مسلمانوں کو حالیہ مسلم کش فسادات نے جس بری طرح اپنی خونی چکی میں پیسا ہے اس کا اجمالاً تذکرہ کر کے میں نے مخاطبین کو توجہ دلائی کہ یہاں کے چھوٹے سے چھوٹے سنٹر کی طرف سے نہ صرف بھارتی حکومت اور اس کے سفارت خانے کو احتجاج پہنچنے چاہییں بلکہ آپ لوگ مسلمان حکومتوں سے تقاضا کریں کہ وہ بھارتی حکومت پر اثر انداز ہو کر مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ نیز اقوام متحدہ کے سکرٹری کو احساس دلائیں۔ اس سلسلے میں جہاں تک ہو سکے لاکھوں متاثرین کے لیے مالی امداد بھی بھجوائیں۔

۴۔ افغانستان کی صورتِ حالات کا نقشہ پیش کر کے میں نے توجہ دلائی کہ اس معاملے میں بھی مسلم حکومتوں کو توجہ دلائیں کہ وہ روس کی پشت پناہی سے ترہکی کی اقلیتی حکومتوں کے ہاتھوں افغانی مسلمانوں کی اکثریت کی خونریزی اور نسل کشی کو بند کراتے اور مجاہدین کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اپنا فرض ادا کریں خصوصاً ۱½ لاکھ سے زائد مہاجرین کو تو لازماً وسیع پیمانے پر امداد ملنی چاہیے۔ کاش کہ مسلمان ملکوں کی انجمن ہلال احمر اتنی مضبوط ہوتی کہ وہ خالص انسانی ہمدردی کی بنا پہ مہاجرین کی امداد کے لیے میدان میں اتر جاتی۔

۵۔ آخر میں میں نے پاکستان کے سیاسی حالات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا کہ اس وقت ملحد اشتراکی اور مفاد پرست گروہ کی سرگرمیاں اور تیاریاں ایسی ہیں کہ ہمیں اُن کے خلاف آئندہ انتخابات میں ایک فیصلہ کن معرکہ سے گزرنا ہوگا۔ اس معرکے میں ہمارے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے آپ حضرات جس بھی طریق سے حصہ لے سکتے ہوں، لیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اس وقت پاکستان میں اسلام کی مضبوطی کی راہ نکلنے کی صورت میں ایران اور افغانستان کو بھی استحکام حاصل ہوگا اور بھارت کے مسلمانوں کو بھی سہارا ملے گا۔ بصورتِ دیگر اگر ہم اور آپ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہ رہ گئے تو ایران، افغانستان

اور ہندوستان ——— پورے خطے کے مسلمانوں کے حق میں مضر ہوگا۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ اس فرمن کا خاصا گہرا احساس وہاں موجود ہے اور میں نے (اور خلیل حامدی صاحب نے) اس احساس کو اور زیادہ مؤثر بنانے کے لیے خاصا کام کیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

(بقیہ مقامِ غم)

کی بشری خطاؤں اور کمزوریوں سے درگذر فرما کر اُن کے جذبۂ ایمانی اور اُن کی خدماتِ ملی و انسانی کو اپنی خاص قبولیت سے نوازے۔

مولینا ابوالخیر مودودی کی تعزیت کے سلسلے میں جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان، میر علی احمد تالپور وزیر دفاع، جنرل سوار خاں گورنر پنجاب، سفیر مصر کے علاوہ بے شمار دیگر محبتوں کی طرف سے مولینا ابوالاعلیٰ مودودی اور مرحوم کے اہلِ خانہ سے اظہارِ ہمدردی کے جو تار اور خطوط موصول ہو رہے ہیں، اُن کا فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے۔ میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان، حسین فاروق مودودی مہتمم ادارہ ترجمان القرآن اور ابوالبرکات (مرحوم کے صاحبزادے) سب اپنے ہمدردوں اور خیر خواہوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے فلاح و سعادت کی دُعا کرتے ہیں۔ (نعیم صدیقی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے لیے دُعائے صحت کی اپیل

حال ہی میں اطلاع ملی ہے کہ بفیلو (امریکہ) کے ہسپتال میں مولانا مودودی کے معدے کا آپریشن ہو رہا ہے چنانچہ امریکی وقت کے مطابق ۱۲ بجے (مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۷۹ء) کو یہ مرحلہ بخیریت گزر گیا۔ آج (۵ ستمبر) صبح ۶ بجے حسین فاروق مودودی نے اپنے بھائی ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے ٹیلیفونی رابطہ کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آپریشن جو ڈھائی گھنٹے جاری رہا بخیر و خوبی مکمل ہوا۔ مولینا کے رفقائے مقصد قارئین ترجمان القرآن اور جملہ مسلمان بحالی صحت کی دعا کریں۔ (ادارہ)

اِدارۂ ہٰذا نے عوام کی بھرپور مانگ اور اسلامی لٹریچر کو عام آدمی

تک پہنچانے کے لیے مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مدظلّہ کی

شہرۂ آفاق تصنیف

سیرتِ سرورِ عالم

کے دوسرے ایڈیشن کی قیمت میں حیرت انگیز کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب "سیرتِ سرورِ عالم" قسم دوم کی دونوں جلدوں کی قیمت علاوہ ڈاک خرچ -/۸۰ روپے ہوگی۔ عام خریداروں کو اس پر ۲۰ فیصد رعایت بھی دی جائے گی۔ چنانچہ ادارہ ہذا سے -/۶۴ روپے میں مکمل سیٹ (جلد اوّل و دوم) دوسرا ایڈیشن عنقریب دستیاب ہوگا۔ بذریعہ ڈاک قیمت -/۶۸ روپے ہوگی پیشگی بکنگ جاری ہے جس ترتیب سے پیشگی رقوم وصول ہوں گی اُسی ترتیب سے ترسیل ہوگی۔

لہٰذا تمام خریدار حضرات جلد از جلد پیشگی رقوم بھجوا کر مشکور فرمائیں۔

خریدار حضرات اپنا پتہ مکمّل اور صاف لکھیں

منجانب:۔

ناظم ادارہ ترجمان القرآن

۱ چھرہ۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۰۴ ستمبر ۱۹۶۹ء

INDISPENSABLE BOOK FOR

JUDGES, ADVOCATES, ULAMA AND LAW STUDENTS

THE RECONSTRUCTION OF LEGAL THOUGHT IN ISLAM

Comparative study of the Islamic and the Anglo-American Systems of Law, and refutation of the Orientalists

(Revised and Enlarged Edition)

By
Dr. RIAZUL HASAN GILANI

FOREWORD
SYED ABUL A'LA MAUDOODI

Price : Rs. 50/-

IDARA TARJUMAN AL-QURAN
ICHHRA LAHORE